دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
زیر سرپرستی: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور (مغربی پاکستان)

# فہرست مضامین

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک
جلد ششم
شعبان ۱۳۹۰ھ تا رجب ۱۳۹۱ھ مطابق اکتوبر ۱۹۷۰ء تا ستمبر ۱۹۷۱ء



مضامین کی فہرست موضوعات کے لحاظ سے سلسلہ وار صفحات کے حوالہ سے دی گئی ہے جو ہر صفحے کے نیچے لکھے ہوئے ہیں۔ یہ فہرست جلد کے آغاز میں لگائی جا سکتی ہے۔ (ادارہ)

## نقشِ آغاز

سمیع الحق



## قرآن کی روشنی میں



## دعواتِ عبدیت ـــ حق

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق

## عقائد و احکام



## احسان و سلوک



## قانون



## سیاسیات ۔ اسلام



## معاشیات ۔ معاشی نظریے



## تاریخِ اسلام



## عالم اسلام کے مسائل



## دینی مدارس اور مشاہدات و تاثرات

## سیرت و سوانح



## تحقیق و تفحص



## لسانیات



## شعر و سخن



## سائنسی تحقیقات ۔ (سائنس اور اسلام)



## ردِ الحاد و تہذیبِ مغرب

## تبرکات و نوادر



## تنقید و تبصرہ

لہ دعوۃ الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد : ۶

شمارہ : ۱ ۲

شعبان / رمضان ۱۳۹۰ھ

اکتوبر / نومبر ۱۹۷۰ء

مدیر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سمیع الحق




## اس شمارے میں




**بدل اشتراک**

مغربی اور مشرقی پاکستان سے ۸/- روپے، فی پرچہ ۷۰ پیسے
غیر ممالک بحری ڈاک ایک پونڈ، غیر ممالک ہوائی ڈاک دو پونڈ

سمیع الحق استاد دار العلوم حقانیہ طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نقشِ آغاز

عالمِ اسلام کے فرزند جلیل اور عالمِ عرب کے بطل عظیم زعیم مصر صدر جمال عبدالناصر اچانک ملت مسلمہ کو داغِ مفارقت دے گئے۔ افریشیائی اقوام کا نشید حریت اور ناقوسِ آزادی یکایک خاموش ہوگیا۔ افسوس کہ استعمار کو للکارنے والا مردِ جری اور سامراج کا بدترین دشمن ہم سے جدا ہوگیا۔ ساری انسانیت ماتم کناں ہوگئی اور پوری عرب دنیا حیران اور سرگردان رہ گئی، مصر کا سہاگ اجڑ گیا اور عالمِ عرب کی آبرو چلی گئی۔ سچ ہے اگر ایسے موقعہ پر کہا جائے ؎

وما کان قیس ھُلکہٗ ھلک واحدٍ

ولکنّہٗ بنیان قومٍ تھدّما

مرحوم صدر ناصر کے بعض اقدامات اور پالیسیوں سے اختلاف کیا جاسکتا تھا اور دشمنوں نے اسے بڑھا چڑھا کر اچھالا بھی، مگر صدر ناصر نے استبداد اور استعمار میں جکڑے ہوئے عالمِ عرب کی نشأۃِ ثانیہ میں جو بنیادی کردار ادا کیا اُسے تسلیم کرنے پر ان کا بدترین دشمن بھی مجبور ہوگا۔ انہوں نے عربوں کو آزادی کا سبق سکھایا۔ شہنشاہیت کے بت توڑے، اتحاد اور خودی کا جذبہ ابھارا، عربوں کو مغربی سامراج کے طلسم سے نکالا۔ جہادِ حریت کے ہر محاذ پر وہ سالارِ کاروان بن کر نمودار ہوئے، وہ فرشتہ نہیں انسان تھے۔ ان میں خامیاں بھی ہوسکتی تھیں، اللہ تعالیٰ ان سے درگذر کرے، مگر یہ حقیقت جھٹلائی نہیں جاسکے گی کہ صدیوں بعد عالمِ اسلام کو ان جیسا غیور وجسور، باہمت، بلند حوصلہ، معتدل مزاج اور بلند اقبال نصیب ہوا تھا۔ اس وقت عرب دنیا ایک نازک موڑ پر ہے جسے صدر ناصر جیسے رجل عظیم کی بے حد ضرورت تھی۔ مگر خدائے حکیم وعلیم کی مرضی کے سامنے کس کی چل سکتی ہے۔ وہی حکمتوں والی ذات ہے، وہی اچھی طرح جانتا ہے کہ عربوں کے مقدر میں کیا لکھا ہے۔ سب کو اس دنیا سے جانا ہے مگر صدر ناصر کا ایسے حالات میں عربوں سے جدا ہوجانا ملاقات ساعت میں سے کچھ کم بات معلوم نہیں ہوتی۔ صدر ناصر مرگئے ہیں مگر ان کو زندہ رکھنے کی ایک صورت ہے کہ ساری اسلامی دنیا ان کے مشن کو تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرے اور وہ مشن ہے پورے ایشیا بالخصوص عرب دنیا

سے مغربی سامراج کے نام و نشان مٹانا۔ عرب دنیا اور عالم اسلام کو متحد کرنا ــــ صدر ناصر بھی یہی سبق دے گئے ہیں اور یہی وہ بہترین خراج عقیدت ہے جو صدر ناصر جیسے اولوالعزم قائد کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

★

پاکستان کی سرزمین پچھلے دنوں کئی ایک اکابر علم و فضل سے محروم ہوگئی۔ ۲۲ر اکتوبر کو حضرت العلامہ مولانا خیر محمد صاحب جالندھری مرحوم بانیٔ مدرسہ خیر المدارس ملتان خلیفۂ ارشد حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی قدس سرہٗ کا سانحۂ وفات پیش آیا۔ مرحوم کی ساری زندگی دین اور علوم دین کی خدمت میں گذری، سلامت طبع، میانہ روی، معتدل مزاج، نظم و ضبط وغیرہ صفات میں آپ اپنے پیر و مرشد حضرت تھانویؒ کا نمونہ تھے۔ افتراق و انتشار کے اس گھمبیر ماحول میں بھی آپ حتی الوسع فکری تعصب اور گروہی تحزب سے اپنا دامن بچاتے ہوئے علماء حق کے باہمی اتحاد و اتفاق کیلئے کوشاں رہے۔ وہ ان گنے چنے افراد میں سے تھے جن کی طرف ایسے حالات میں نگاہیں اٹھتی رہیں۔ تقسیم سے قبل جالندھر اور بعد میں ملتان میں بیٹھ کر انہوں نے "خیر المدارس" کی شکل میں علوم نبویہ کے عظیم الشان خدمات انجام دیں ان کی وفات سے علمی و دینی حلقوں میں جو خلاء پیدا ہوگیا ہے وہ شاید مدتوں پُر نہ ہوسکے۔

جانے والے قدسی صفات بزرگوں میں حضرت مولانا عبدالشکور صاحب۔ بہبودی ضلع کیمبل پور بھی ہیں، اخلاص، سادگی اور بے تکلفی اور زہد و تقویٰ کا چلتا پھرتا نمونہ جیّد عالم اور خوش بیان مقرّر، زندگی ساری درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ میں گذری تقسیم سے پہلے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور اور بعد میں پاکستان کے کئی مدارس میں پڑھاتے رہے، پچھلے کئی دنوں سے بیمار تھے اور راولپنڈی میں زیرِ علاج رہے۔ ۲۵ر ستمبر کو نمازِ جمعہ کے بعد واصل بحق ہوئے۔ جسدِ مبارک کو آبائی گاؤں بہبودی لایا گیا، دوسرے دن صبح دس بجے آغوشِ رحمت کے سپرد کئے گئے۔ نمازِ جنازہ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ نے پڑھائی اور سینکڑوں علماء و صلحاء اس میں شریک ہوئے۔

عالمِ آخرت کے ان مسافروں میں ایک اور بزرگ حضرت مولانا سید طلحہ تھے جن کا انتقال اسی تاریخ کو کراچی میں ہوا۔ جدید و قدیم علوم کے مایۂ ناز عالم اور عربی علوم و ادب میں اپنی نظیر آپ تھے۔ ایسی جامع شخصیتیں اس دور میں ملنی مشکل ہیں حق تعالیٰ سب کو اپنی رحمت، مغفرت اور بہترین مقامات قرب سے مالا مال کر دے اور ملتِ مسلمہ کو ان سب کا بہترین بدل عطا فرمادے۔ آمین۔

★

ان دنوں اخبارات میں کراچی کی ایک فاحشہ عورت شہناز گل اور ان کے ایک دوست (جنہوں نے خودکشی کی) کے سکینڈل کا چرچا ہے اس واقعہ کے ضمن میں جو تفصیلات سامنے آرہی ہیں انہوں نے ہمارے ملک بالخصوص اونچے معاشرہ کی ایک گھناؤنی تصویر ہمارے سامنے رکھدی ہے۔ یقین نہیں آسکتا کہ یہ تصویر برطانیہ کی کرسٹائن کیلر کی ہے یا کسی اسلامی مملک کے سب سے بڑے شہر کی مسلمان سوسائٹی کی ـــــ افسوس کہ جو مملکت اسلام کے نشاۃ ثانیہ کے نام پر حاصل کی گئی تھی وہاں کے مہذب معاشرہ کے اکثر ذمہ دار افراد ڈاکٹر وارڈ اور کرسٹائن کیلر کا کردار ادا کرنے میں مشغول ہیں مگر اصلاح حال کی کوئی صورت سامنے نہیں آرہی ـــــ شہناز گل کیس ایک المیہ اور ماتم ہے، پورے پاکستان کی غیرت وحمیت پر حکام اور سرمایہ دار طبقوں کی اخلاقی اور ایمانی بے حسی پر، پورے پریس کے ذوقِ اشاعتِ فاحشہ پر، اور پورے ملک کے اخلاقی زوال پر۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل



## قارئین سے اعتذار ـــ اور اعلان

افسوس کہ پچھلے کئی ماہ سے الحق کی بروقت اشاعت میں بعض اعذار کی بناء پر جو بدنظمی پیدا ہوگئی ہے، ہم پوری کوشش کے باوجود کتابت وغیرہ کی دشواریوں کی وجہ سے اس پر قابو پا سکنے میں کامیاب نہیں ہوسکے یہاں تک کہ اکتوبر کا پورا مہینہ ختم ہوجانے پر بھی ہم اکتوبر کا پرچہ نذرِ قارئین نہیں کرسکے اس بدنظمی پر قابو پانے کی یہی ایک صورت رہ گئی ہے کہ پیشِ نظر رسالہ بجائے اکتوبر کے اکتوبر اور نومبر دونوں کا سمجھا جائے، اسطرح جو خامی رہ جائے گی ہم انشاءاللہ اسکی تلافی کی سعی کریں گے۔ ہمارے قارئین کو اس سلسلہ میں جو زحمت اٹھانی پڑی ہم خلوصِ دل سے اس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔ اور حالات کی درستگی کے لئے سب سے دُعا کی درخواست کرتے ہیں۔　　"ناظم ادارہ"

ارشادات حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ
بانی خیر المدارس ملتان

# اللہ سے تعلق قائم کرنے کا طریقہ

اکبر الہ آبادی نے خوب فرمایا ہے ؎

تعلیم مذہبی کا خلاصہ یہی تو ہے — سب مل گیا اسے جسے اللہ مل گیا

حسنِ اتفاق سے یاد آیا کہ تعلق مع اللہ پر استاذ العلماء راس الاتقیاء عارف باللہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہٗ العزیز بانی و مہتمم خیر المدارس ملتان نے مدرسہ اشرف المدارس کے سالانہ جلسہ میں مورخہ ۸ / صفر ۱۳۸۷ھ (۱۹ / مئی ۱۹۶۷ء) شب شنبہ کو جو تقریر فرمائی۔ بغرض استفادہ و استفاضہ قارئین نقل کرتا ہوں۔

(جامع وعظ بندہ محمد اقبال قریشی ہارون آبادی)

حضرت مرحوم نے بعد خطبہ مسنونہ : قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ اس آیت میں تعلق باللہ کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ سے بندہ کا صحیح تعلق قائم ہو جاتا ہے تو بندہ جو کچھ زبان سے کہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرما دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اسکی حفاظت کرتے ہیں۔ ابن الفارضؒ نقشبندی خاندان کے ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں، جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو آپ کے سامنے جنّت کے آٹھوں دروازے کھول دئے گئے۔ آپ نے ان کو دیکھ کر فوراً منہ پھیر لیا۔ چونکہ آپ شاعر تھے اس لئے فوراً یہ شعر پڑھا ؎

إِنْ كَانَ مَنْزِلَتِيْ فِي الْحُبِّ عِنْدَكُمْ
مَا قَدْ رَأَيْتُ فَقَدْ ضَيَّعْتُ أَيَّامِيْ

یعنی تمہارے پاس محبت کا اجر یہ ہے تو میں نے اپنی عمر ضائع کر دی۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے تجلّی فرمائی اور آپ کی روح پرواز کر گئی۔ جب اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہو جاتا تو خود بخود غیر اللہ

سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے، جیسا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی مثال ہے کہ شاہ چین نے آپکو شیشہ دیا تو آپ نے اپنے گھر میں رکھوا دیا۔ جب آپ گھر میں داخل ہوتے تو خود بخود شیشہ کی طرف نظر پڑتی حالانکہ آپ کو شیشہ دیکھنے کا شوق نہ تھا۔ لیکن بجائے توجہ مع اللہ کے شیشہ کی طرف نظر پڑنے سے اپنی شکل وصورت نظر آتی۔ اتفاق سے وہ شیشہ آپ کے نوکر سے ٹوٹ گیا۔ نوکر بہت گھبرایا کہ آپ سخت ناراض ہوں گے، جب آپ تشریف لائے تو اس نے ڈرتے ہوئے کہا۔ ع۔ از قضاء آئینہ چینی شکست۔

آپ بہت خوش ہوئے کیونکہ اتنی دیر اللہ کیطرف سے دھیان ہٹا تھا۔ جس کا اللہ تعالیٰ نے خود انتظام کر دیا۔ تو آپ نے دوسرا مصرع فرما دیا۔ ع

خوب شد اسباب خود بینی شکست

پس تعلق مع اللہ بہت بڑی دولت ہے۔ مقصود اعظم تعلق مع اللہ ہے۔ جب بندہ کا اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے تو اسکو فکر آخرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ کے سوا اسے کسی کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ اسے مال یا جان کی حفاظت کی پرواہ نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے لئے انبیاء کرام تشریف لے آئے۔ انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا تاکہ تعلق مع اللہ کا سلسلہ قائم رہے۔ تعلق مع اللہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نام ہے۔

عالم چار ہیں، عالم ارواح، عالم ازل، عالم دنیا، عالم برزخ۔ سب سے پہلے روحیں عالم ارواح میں تھیں اور سب روحیں اللہ تعالیٰ کو دیکھتی تھیں مگر ان کا دیکھنا غیر اختیاری تھا جیسے تصویر لٹکی ہو تو پانی میں خود نظر آتی ہے۔ اسی طرح روح کا دیدار تھا۔ قرآن شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، تو جواب دیا گیا: قَالُوْا بَلٰى۔ یعنی کیوں نہیں (تو ہمارا رب ہے) یہاں سب کا جواب ایک ساتھ نہ تھا۔ جیسا کہ مفسرین نے نقل فرمایا ہے۔ یہود و نصاریٰ کی روحوں نے اس کا جواب نہیں دیا۔ جب سوال کیا گیا تو سب کی روحیں موجود تھیں۔ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک نے جواب دیا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک جواب نہ دیتی تو کوئی بھی جواب نہ دیتا۔ آپؐ کے جواب کے بعد انبیاء علیہم السلام کی روحوں نے جواب دیا اس کے بعد درجہ بدرجہ قطب، اولیاء کی روحوں نے جواب دیا، گویا عالم روحانی میں آپؐ کو استاد

بنایا گیا اور آپؐ کی روح سب کے لئے باعث تقلید بنی۔ اور آپؐ کے تشریف لانے سے پہلے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا گیا جیسے بادشاہ کے آنے کی تاریخ مقرر ہوتی ہے۔ تو چھوٹے چھوٹے اہل کاروں کا انتظام ہوتا ہے۔ شامیانہ لگایا جاتا ہے، فرش بچھایا جاتا ہے اور شامیانے کو افسر دیکھنے کیلئے آتے ہیں، کہ آیا بادشاہ کے لائق بھی ہے تو آپؐ کے لئے آسمان کا شامیانہ لگایا گیا۔ زمین کا فرش بچھایا گیا۔ سورج اور چاند کی لالٹینیں لگائی گئیں اور سب انبیاء علیہم السلام شامیانے کو دیکھنے کے لئے آئے اور شامیانہ بدستور رہا۔ اور جب تک ایک آدمی بھی کلمہ توحید پر ایمان لاتا ہے اور عمل صالح کرتا ہے۔ شامیانہ بھی اسی وقت تک رہے گا۔ جب یہ سلسلہ ختم ہو گیا تو سورج اور چاند بے نور ہو جائے گا۔ شامیانہ بھی نہ رہے گا۔ اور قیامت آجائے گی دنیا ختم ہو جائے گی کیونکہ اس وقت شامیانہ کی ضرورت بھی نہ رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حیات کی قسم کھائی ہے، اور کسی کی عمر کی قسم نہیں کھائی۔ چنانچہ سورہ الحجر آیت ۷۲ میں ہے۔ لعمرك انهم لفی سکرتهم یعمهون میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو بیان نہیں کرتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے معجزات ہیں کہ ان کا بیان ہو ہی نہیں سکتا۔ ان میں سے ایک معجزہ معراج شریف ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رکاب تھامی براق پہ سواری کی زمین سے گزرے۔ براق زمین اور آسمان کے درمیان چلتا تھا۔ جہاں تک نظر جاتی تھی۔ اس کا ایک قدم ہوتا تھا۔ خوشبو آنے لگی۔ آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کیا یہ جنت کی خوشبو ہے۔ جبرئیل علیہ السلام جواب دیا یہاں سے جنت بہت دور ہے۔

فرعون کی ایک ملازمہ تھی وہ کنگھی کر رہی تھی، ایک دن کنگھی اس کے ہاتھ سے گر گئی تو اس کے منہ سے کلمہ توحید نکل گیا۔ جب اللہ والے کی زبان سے بات نکلتی ہے پھر نہیں چھپتی بلکہ پہلے سے زیادہ نکلتی ہے۔ کسی نے جاکر فرعون سے کہہ دیا۔ فرعون نے پولیس بھیجی اس پر لڑکی نے کہا میں اس خدا کو مانتی ہوں جس نے مجھے پیدا کیا۔ اس پر فرعون نے اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا دئے اس کے دو بیٹے تھے، ایک شیر خوار، دوسرا تین چار سال کا۔ فرعون نے بیٹے کو ذبح کرنے کی دھمکی دی۔ ماں برابر ڈٹی رہی۔ اس پر فرعون نے بڑے بیٹے کو ذبح کر دیا اور چھوٹے بیٹے کو ماں کے سینہ پر رکھ دیا، ماں گھبرائی، اس پر اللہ تعالیٰ نے شیر خوار بچے کو زبان دی کہ میرا بھائی جنت میں میرا اور آپ کا انتظار کر رہا ہے۔ ظالم

نے ماں اور بیٹے کو ذبح کر دیا۔ آج اسکی قبر سے خوشبو آرہی ہے جو ساتویں آسمان تک پہنچی ہے۔ ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملاقات ہوئی اس کے اوپر سدرۃ المنتہیٰ ہے آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا کہ ساتھ نہیں ہیں۔ کیونکہ اس سے آگے جانے پر حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پر جلتے ہیں۔ کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلیات پڑتی ہیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے سینہ میں وہ طاقت رکھی ہے جو آگے جا سکے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں میں سب سے افضل ہیں اور یہاں آپؐ کی فضیلت حضرت جبرئیل علیہ السلام سے بڑھ کر ثابت ہوئی۔ آپؐ نے جنّت اور دوزخ کو دیکھا جب ایک آدمی بادشاہ یا اپنے پیر کے پاس جاتا ہے تو سوغات لے کر جاتا ہے۔ آپؐ یہ سوغات لے کر گئے اَلتَّحِیَّاتُ یعنی قولی عبادت۔ زبان سے اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت ہوگی اور زبان سے ہر جملہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہی نکلے گا۔ وَالصَّلَوٰتُ سر سے پیر تک کی عبادت اللہ کے لئے ہوگی اپنے نفس کے لئے کچھ نہ ہوگا۔ قبروں پر سجدہ نہ ہوگا۔ بلکہ اللہ کے لئے ہوگا۔

موحد چہ بر پائے ریزی زرش ۔۔۔ چہ شمشیر ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد ز کس ۔۔۔ ہمیں است و بنیاد توحید لبس

تیسرا وَالطَّیِّبَاتُ پاک مال کی کمائی پیش کی۔ کسی کی چوری کی کمائی نہ ہوگی۔ خرچ میں بھی رضاءِ الٰہی ہوگی، مدارس اسلامیہ کی امداد ہوگی اور دیگر نیک کاموں میں صرف ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی آپؐ کے لئے اور آپؐ کی امت کے لئے تحفہ دیا۔ آپؐ واپس آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے واپس کیا۔ پانچ نمازیں کم ہوئیں، اسی طرح نو مرتبہ آپؐ واپس ہوئے بعض احادیث میں چودہ یا بیس کا ذکر آتا ہے وہ دو یا چار کو جمع کر لیا ہے۔ جب پانچ باقی رہ گئیں تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت پر تین نمازیں فرض تھیں انہوں نے وہ نہ پڑھیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اب تو مجھے شرم آتی ہے، کیونکہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی عادت معلوم ہوگئی اگر پانچ بھی معاف ہو جاتیں تو امت کے لئے کیا سوغات یا تحفہ لے جاتے۔ یہ اللہ کا تحفہ ہے جس طرح آجکل لوگ اپنے دوست کو شادی میں تحفہ بھیجتے ہیں۔ اگر کوئی تحفہ واپس کر دے تو اللہ تعالیٰ کو کتنا غصّہ آئے گا۔ آج کل لوگ بہت کم نمازیں پڑھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے نماز تجویز خداوندی ہے۔ باقی انبیاء کی نمازیں اپنی تجویز تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیں۔ بندہ کی تجویز اور خدا کی تجویز میں فرق ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ

نے حضورؐ کو آسمان پر بلا کر نماز تجویز فرمائی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے گندم کا دانہ کھالیا تھا جب ان کی توبہ قبول ہوئی تو صبح صادق کا وقت تھا۔ اسطرح ان کی امت پر فجر کی نماز فرض ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لئے منیٰ میں تشریف لے گئے۔ جب آپکی قربانی قبول ہوئی تو زوال کا وقت تھا۔ آپ نے شکریہ میں چار رکعت نماز پڑھی اسطرح ان پر ظہر کی نماز فرض ہوئی۔ حضرت عزیر علیہ السلام ایک سو سال کے بعد جب اٹھے تو دن ڈھل چکا تھا۔ آپ نے چار رکعت نماز پڑھی۔ اس لئے ان پر عصر کی نماز فرض ہوئی۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام کا امتحان ہوا تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ آپ نے چار رکعت کی نیت باندھی لیکن بھول کر تین رکعت نماز پڑھی۔ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور ان کی امت پر مغرب کی نماز فرض ہوئی۔ عشاء کی نماز خاص حضورؐ اور آپؐ کی امت پر فرض ہوئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے۔ سب سے افضل انبیاء علیہم السلام اور سب فرشتوں سے افضل جبرئیل علیہ السلام ہیں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے افضل ہیں۔ مرنے اور قیامت کے درمیان عالم برزخ ہے۔ ہمارا مسلک ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر جائے۔ آپؐ پہ درود اور سلام بھیجے آپؐ سنتے ہیں۔ آپ کے وسیلہ سے دعا مانگے، ہم چشتی ہیں ہم وسیلہ کے قائل ہیں۔ سب وسیلہ کے قائل ہیں۔ ہمارے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ دار العلوم کراچی نے وسیلہ پہ ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ سوائے غیر مقلد کے سب وسیلہ کے قائل ہیں۔ معتزلہ وسیلہ کے قائل نہیں۔ وہ اہلسنت والجماعت سے خارج ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے وسیلہ پہ ایک رسالہ لکھا ہے اور ایک رسالہ وسیلہ کے متعلق میں نے لکھا ہے۔ جو خیر المدارس میں پڑا ہوا ہے۔ قیامت کے دن شفاعت کبریٰ بھی آپؐ کے لئے خاص ہے۔ آپؐ کے وسیلہ سے ہی سب کی نجات ہوگی۔ انبیاء علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہیں لیکن وہ عذر کر دیں گے۔ کیونکہ انہیں بتلایا نہیں گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔ خبر دی گئی۔ تاکہ آپؐ بھی کہیں کمال بندگی سے عذر نہ کر دیں۔ بخاری شریف میں ہے کہ میں سجدہ کروں گا۔ اور اللہ تعالیٰ مجھے ایسی دعائیں سکھلائیں گے جو کسی کو نہ سکھلائی ہوں گی۔ ارشاد ہوگا اٹھ کیا مانگتا ہے۔ مانگ۔ علامہ قسطلانیؒ نے لکھا ہے کہ وہ مٹی جو روضہ کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتی ہے، وہ عرش سے افضل ہے۔ پس جو حضورؐ کی اتباع کرے گا اس کا تعلق اللہ سے قائم ہوگا مگر فرق وہی ہوگا جو سرونٹ اور آقا میں ہوتا ہے۔

جناب غلام مرتضیٰ آزاد اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
اسلام آباد

# ابن قتیبہؒ

## حالاتِ زندگی اور تالیف "مشکل القرآن"

مکتبۂ انسانیت میں بیشمار مصنّف گذرے ہیں لیکن ان میں سے کتنے ہیں جو شہرتِ دوام سے ہمکنار ہوئے۔ چھاپہ خانوں میں ہر روز لاتعداد کتابیں طبع ہوتی ہیں، لیکن ایسی کتابیں بہت تھوڑی ہیں جو حصولِ شہرت کی بجائے افادۂ عام کے لئے تصنیف کی گئی ہوں۔ ایسی ہی صنف اقل مگر مقبول بین الناس کتابوں کے ایک زندۂ جاوید مصنّف (ابن قتیبہ) کا تذکرہ پیش کیا جاتا ہے۔ جو تیسری صدی ہجری کے افق پر ہلال بن کر نمودار ہوئے اور آج فقہائے تصنیف وتالیف کے انجم میں ماہ کامل دکھائی دیتے ہیں جنکی ضیا پاشیوں سے راہرواں جادہ علم وعمل کے راستے منزلِ مقصود تک منور ہیں۔

عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ ۲۱۳ھ میں بمقام بغداد پیدا ہوئے[1]۔ اس دور میں بغداد کی گلزار آسا سرزمین اور روح پرور فضائیں رشکِ بہارِ جنّت تھیں۔ زرخیز خطّے عموماً مردم خیز بھی ہوتے ہیں۔ اور بغداد تو علم خیز خطّہ تھا جس کے گلہائے خوش نما اور اشجار سدا بہار کی آبیاری خود حکومت کر رہی تھی۔ کتنے دور میں تھے وہ لوگ جو آج سے ایک ہزار سال قبل اس حقیقت کی تہہ تک پہنچ گئے تھے کہ کسی قوم کی فتح وشکست کے فیصلے میدانِ جنگ میں نہیں درسگاہوں میں کئے جاتے ہیں۔ خلافتِ مامون کے آخری ایّام اسلامی علوم کی ترویج وترقی اور اسلامی حدود کی وسعت واستحکام کا نصف النّہار تھا اور اب آفتابِ تسلّط روبہ زوال ہونے کو تھا۔ ابن قتیبہؒ نے اسی خوشگوار ماحول اور انتہائے عروج وابتدائے زوال کے درمیانی عرصہ میں اپنی آنکھ کھولی۔ اساتذہ نے جوہر قابل کو ایسی جلا بخشی کہ اسکی صفا وضیاء سے آج

---

[1] وفیات الاعیان لابن خلکان جلد ۲۔ ص ۲۴۶، ص ۲۴۷ نیز سمعانی اور القفطی نے بھی ان کی بجائے ولادت بغداد بتائی ہے۔ ابن الندیم، ابن الاثیر اور ابن الانباری نے انکی جائے ولادت کوفہ بتائی ہے۔

بھی ہماری آنکھیں چکا چوند ہو رہی ہیں قابلِ داد ہیں، وہ اساتذہ جو جوہر قابل کی قدر کرنا جانتے ہیں۔ اور اپنے شاگرد کو "طوطا" بنانے کی بجائے نابغہ بنا دیتے ہیں۔ اس دور کے مروّجہ علوم میں سے کونسا علم تھا جس کے اساتذہ بغداد میں موجود نہ ہوں۔ ابن قتیبہ نے باندازِ جام ہر ایک میخانے سے بادۂ علم حاصل کیا علی الخصوص "سوشل سائنسز" جس پر انہوں نے متعدد کتابیں یادگار چھوڑیں ان اساتذہ کے فن کی صحبت میں بیٹھ کر ابن قتیبہ الماس تابان بن گئے اور دینور[۲] کے عہدہ قضا سے معزول کئے جانے کے بعد انہوں نے اپنی زندگی کے بقیہ لمحات ملک و قوم بلکہ پوری انسانیت کیلئے وقف کر دئے کہ تخلیق انسان کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے۔ ابن الندیم[۳] کے بیان کے مطابق سنہ ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔

شیوخ :- ۱۔ مسلم بن قتیبہ (ابن قتیبہ کے والد) بحوالہ عیون الاخبار ۱۴۲ و مقامات۔ ۲۔ احمد بن سعید اللحیانی (المتوفی ۲۳۱ھ)[۴] جو ابو عبید القاسم بن سلام کے شاگرد تھے۔ ابو عبیدہ کا تذکرہ اگلے صفحات میں ملاحظہ کیجئے۔ ۳۔ اسحٰق بن راہویہ (۲۳۸ھ) مشہور محدث جملہ تذکرہ نگار۔ ۴۔ یحییٰ بن اکثم القاضی (۲۴۲ھ) مشہور قانون دالا۔ ۵۔ ابو عثمان الجاحظ (۲۵۴ھ) انکی شخصیت تعارف سے بے نیاز ہے، بحوالہ عیون الاخبار (۳ : ۱۹۹) ۶۔ ابو اسحٰق ابراہیم بن سفیان۔ الزیادی (۲۴۹ھ) سیبویہ الاصمعی اور ابو عبیدہ جیسے مشہور نحاۃ کے شاگرد۔ ۷۔ دعبل بن علی الخزاعی (۲۴۶ھ) مشہور شاعر تھے۔ ۸۔ ابو عبداللہ محمد بن سلام الجمحی (۲۳۱ھ)۔ صاحب "طبقات الشعراء" تذکرہ نویسوں نے ابن قتیبہ کے پچیس کے قریب اساتذہ کے نام بتائے ہیں ہم نے صرف مشہور اساتذہ کا تعارف پیش کیا ہے۔

ابن قتیبہ کے معاصرین :- ۱۔ ابو العباس ثعلب (۲۹۱ھ) مشہور ترین نحوی متعدد کتابوں کا مؤلف۔ ۲۔ المبرّد (۲۸۵ھ) "الکامل" والے مشہور ماہر لسان۔ ۳۔ الیعقوبی (۲۷۸ھ) ۴۔ البلاذری (۲۷۹ھ) ۵۔ ابن الرومی (۲۸۳ھ) بہت بڑا شاعر تھا اسے تشبیہ دینے میں کمال حاصل تھا۔

---

۲؎ الفہرست لابن الندیم ص۷۷ مطبوعہ بیروت	۳؎ الفہرست ص۷۷، ۷۸
۴؎ آئندہ ہم تاریخ وفات (۔۔۔ھ) اس علامت سے لکھیں گے۔
ابن قتیبہ کے اساتذہ و معاصرین کے نام "کتاب المعارف" ابن قتیبہ کے مقدمۃ التحقیق سے لئے گئے ہیں۔ دیگر تفصیلات ادب اور تاریخ کی مختلف کتابوں سے حاصل کی گئی ہیں۔

اقبالؒ کا یہ شعر ؎

سورج نے جاتے جاتے شامِ سیاہ قبا کو
طشتِ افق سے لے کر لالے کے پھول مارے (بحر سریع)

ابن الرومی کے ایک شعر ؎

وقد رنقت شمس الاصیل ونفضت علی الافق الغربی ورسا مزعزعا

۶۔ ابن المعتز (۲۹۰ھ کے بعد وفات ہوئی) غالبؒ کو عشق نے نکما کر دیا تھا اور شاہزادہ ابن المعتز کو شاعری نے۔

مصنفات و تالیفات اور اسلوبِ نگارش | لکھنا (تصنیف و تالیف) دنیا کا آسان ترین کام بھی ہے اور مشکل ترین بھی۔ آسان ترین تو اس خوش قسمت کے لئے جو دوسروں کی بہد مسلسل اور خونِ جگر سے سیراب کئے ہوئے باغات میں سے چند پھول توڑ کر اپنی دستار میں سجالے۔ اور مشکل ترین اس شخص کے لئے جو کوہسار سے جوئے شیر کاٹ کر لائے تاکہ ارض موات (بجز زمین) کو سیراب کر کے اسے رشکِ جناں بنا دے۔

تصنیف و تالیف اصل میں اسی چیز کا نام ہے شروح اور خلاصے پیش کرنا بزرگوں کی بلند بام عمارات کی تخریب کر کے اپنی کٹیا تعمیر کرنا ہے۔

ابن قتیبہ، جیساکہ ہم نے شروع میں اشارہ کر دیا ہے، ایک زندۂ جاوید مصنّف ہیں۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ ان کو تصانیف عظیم فوائد سے معمور ہیں۔ ان کی بعض تصانیف اپنے موضوع پر پہلی اور آخری تصنیف ہیں۔

۲۔ بعض تصنیفات حرفِ آخر تو نہیں مگر کوششِ اولین ضرور ہے۔

۳۔ اور بعض کتابیں متعلقہ موضوع پر دوسری یا تیسری کوشش ہو، مگر گذشتہ کتابوں سے بدرجہا بہتر۔

یہی تین خصوصیات ہیں جنہوں نے ابن قتیبہ کو شہرتِ دوام بخشی ہے۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا۔ کہ اکثر و بیشتر مصنفین کی ضخیم ترین کتابیں ان ہی تین خصوصیات سے خالی ہوتی ہیں۔

اس مقام پر میں ابن قتیبہ کے اسلوبِ نگارش کی چند خصوصیات بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں —— ایک مصنّف کی اصل خوبی بلاشبہ (UNQUESTIONABLY) اس کے نظریات و افکار ہوتے ہیں۔ لیکن نظریات و افکار جیساکہ واضح ہے خود بخود دوسروں تک

نہیں پہنچ سکتے، انہیں دوسروں تک پہنچانے کے لئے ایک آلہ اور قابل فہم بنانے کیلئے ایک قالب کی ضرورت ہے۔ میری داد حسین قالب سے ہے جسطرح آپ اپنے لئے حسین صورت پسند کرتے ہیں۔ اسی طرح اپنے افکار کو بھی حسین سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کیجئے۔

افسوس ہے اس شخص پر جس نے مسلسل محنت اور برسوں کی شب بیداری کے بعد گہر ہائے نایاب کا ایک ذخیرہ فراہم کیا اور طوفان حوادث کا خیال کئے بغیر انہیں ایک شکستہ سفینہ میں لاد کر لے چلا، لہروں کے تلاطم نے اس میں جا بجا سوراخ کر دئے اور وہ جہاز موتیوں سمیت زیر آب ہو گیا۔

ابن قتیبہؒ پختہ افکار کے ساتھ ساتھ صحت زبان اور حسن بیان کے پوری طرح پابند تھے وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ بادۂ گلرنگ کو اگر جام بلوریں میں ڈال کر نوش کیا جائے تو اس کے نشا میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ان کی کتابیں پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے۔ جیسے ہم ایک گلستان کی سیر کر رہے ہوں۔

تجری من تحتها الانهار اکلها دائم وظلها۔

اپنی محنت سے اپنا راستہ بنانے کا جذبہ بہت کم لوگوں میں ہوتا ہے جو لوگ صحت زبان اور حسن بیان کے قائل ہوں ان میں سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ وہ علی العموم دوسروں کا اسلوب اپنانے کی سعی ناتمام کرتے ہیں، ایسی تحریر سے نہ لکھنا بہتر ہے۔ ابن قتیبہؒ کا اسلوب نگارش خود اپنا وضع کردہ ہے۔ اس بادہ گلنار کو انہوں نے اپنے خون سے رنگین کیا ہے اور جس چیز میں انسانی خون کی آمیزش ہو اسکی لذت کا کیا کہنا۔

جو لوگ زندۂ جاوید کتابیں پیش کرتے ہیں ان کا انداز بیان بھی زندۂ جاوید ہوتا ہے۔ ابن قتیبہ کی تحریر پڑھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے، گویا آج ہی کسی شخص نے یہ تحریر شائع کرائی ہے جو آج کی زبان کے ساتھ ساتھ آج کے مسائل سے بھی بخوبی واقف ہے معلوم نہیں یہ لوگ ماضی کی چوٹیوں سے مستقبل کے میدانوں کا آخری کنارہ کسطرح دیکھ لیتے ہیں۔ تراجم اور تذکرہ کی کتابوں میں ابن قتیبہ کی کم و بیش تینتیس ۳۳ کتابوں کا ذکر ملتا ہے ——— جن کی فہرست

---

[1] بعض نقادان ادب نے انہیں جاحظ کا متبع قرار دیا ہے مگر میں اسے ٹھیک نہیں سمجھتا۔

| نمبر شمار | اسمائے کتب | مآخذ | نمبر شمار | اسمائے کتب | مآخذ |
|---|---|---|---|---|---|
| ۱ | غریب القرآن | الفہرست ص۳۵ | ۱۷ | معانی الشعر الکبیر | الفہرست |
| ۲ | مشکل القرآن | وفیات الدیان ص۲۴۶ ج۲<br>تاریخ بغداد ص۱۷۰ ج۱۰ | ۱۸ | الشعر والشعراء | " |
| ۳ | معانی القرآن | الفہرست ص۳۴ | ۱۹ | کتاب الخیل | " |
| ۴ | القراءت | طبقات المفسرین۔ الداودی | ۲۰ | حکیم الامثال | مقدمۃ التحقیق کتاب المعارف |
| ۵ | الرد علی القائل بخلق القرآن | داؤدی کی طبقات المفسرین | ۲۱ | خلق الانسان | الفہرست |
| ۶ | غریب الحدیث | الفہرست ص۳۴ | ۲۲ | کتاب المعارف | " |
| ۷ | اصلاح غلط ابی عبید فی غریب الحدیث | " " | ۲۳ | کتاب الانواء | " |
| ۸ | مشکل الحدیث | وفیات الاعیان | ۲۴ | المیسر والقداح | " |
| ۹ | تاویل مختلف الحدیث | الفہرست | ۲۵ | جامع النحو الکبیر | " |
| ۱۰ | المسائل والاجوبہ | " | ۲۶ | جامع النحو الصغیر | " |
| ۱۱ | دلائل النبوۃ | " | ۲۷ | الحکایۃ والمحکی | مقدمۃ التحقیق کتاب المعارف |
| ۱۲ | جامع الفقہ | " | ۲۸ | حکیم الامثال | " |
| ۱۳ | کتاب | " | ۲۹ | عیون الاخبار | الفہرست |
| ۱۴ | الرد علی المشبہۃ | " | ۳۰ | آداب العشرۃ | مقدمۃ التحقیق کتاب المعارف |
| ۱۵ | ادب الکاتب | " | ۳۱ | الجراثیم | " |
| ۱۶ | عیون الشعر | " | ۳۲ | التفسیر | (قاضی عیاض نے اسکا ذکر کیا ہے) |

علاوہ ازیں دو کتابیں "الامامۃ والسیاسۃ" اور "وصیۃ الوالد الی ولدہ" بھی ابن قتیبہؒ کیطرف منسوب ہیں۔ لیکن محققین نے اس نسبت کی صحت سے انکار کیا ہے۔ گذشتہ صفحات میں ہم نے ابن قتیبہ کی کتابوں کے بارے میں چند حیرت انگیز جملے درج کئے ہیں۔ اس لئے ذیل میں ابن قتیبہؒ کی بعض کتابوں کا اجمالی تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

فہرست میں شعر و شاعری سے متعلق ابن قتیبہؒ کی تین کتابوں کا ذکر ہے، ان میں سے "عیون الشعرا" اور "معانی الشعر الکبیر" اسی طرز کی کتابیں ہیں جیسی کہ اردو زبان میں "سراپا سخن"

محسن علی صاحب حسن کی اور "بلبلوں کے نغمے" صفدر لکھنوی۔ دنیا میں اس طرز کی کتابیں بہت کم ہیں۔ "الشعر والشعراء" اپنے موضوع پر پہلی کتاب نہیں، لیکن انداز اور وسعت معلومات کے لحاظ سے اپنے دور کی دیگر کتابوں سے بدرجہا بہتر ہے۔ ان کے استاد "ابو عبداللہ" محمد بن سلام الجمحی البصری المتوفی ۲۳۲ھ کی کتاب الشعرا" اور "الشعر والشعراء" میں وہی نسبت ہے جو ہمارے ہاں میر کی۔ "نکات الشعراء" اور مولانا عبدالحی صاحب کی کتاب "گل رعنا" میں شاہزادہ ابن المعتز جو ابن قتیبہؒ کے معاصر وہم چشم تھے انہوں نے بھی "طبقات الشعراء" نام کی تالیف کی لیکن اس میں صرف ان شعراء کا تذکرہ ہے جو خلافت عباسیہ کے ثناخواں تھے دیگر شعراء کے تذکرہ سے انہیں غرض ہی کیا تھی۔

غریب الحدیث | ابو عبید القاسم بن سلام نے جو ابن قتیبہؒ کے بالواسطہ استاد تھے۔ اور جن کی وسعت علم کا ان کے معاصر بھی اعتراض کرتے تھے۔ غریب الحدیث کے کے موضوع پر ایک کتاب لکھی تھی ابن قتیبہؒ نے ایک رسالہ میں پچاس مقامات پر ابو عبیدہ کی اغلاط کی اصلاح کی ہے۔ اور پھر اس موضوع پر خود ایک کتاب "غریب الحدیث" کے نام سے تالیف کی۔

تاویل مختلف الحدیث | اس دور کے چند فلسفہ زدہ لوگ احادیث کے مابین تعارض پیش کر کے ان کو صحت سے انکار کیا کرتے تھے اور ابن قتیبہؒ چونکہ کسی خیالی دنیا کا مصنف ہونے کی بجائے عملی اور واقعاتی دنیا کا مصنف تھا اس لئے انہوں نے بظاہر متعارض احادیث کی صحیح تشریح کر کے مطلع حدیث پر چھا جانے والے غبار کو ہٹا دینے کی بھرپور اور قابل داد کوشش کی۔

کتاب المعارف | ابن قتیبہؒ کا گلستان تصنیف جتنا بدیع اور اچھوتا ہے اتنا ہی مفید بھی ہے۔ اکلہا دائم وظلہا۔ علمی حلقوں، مباحثوں، اور شاہی دربار میں لب کشائی کے قابل ہو سکیں۔

عیون الاخبار | ابن قتیبہ کی ایسی تصنیف ہے جس پر وہ خود بھی فخر کرتے تھے، اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن قتیبہؒ زاہد متبتل ہونے کے ساتھ ساتھ کہ جنکی زندگی کی آخری شب بھی نوافل میں بسر ہوئی۔ راز دروں مے خانہ سے بھی بخوبی واقف تھے ؎

رندی سے بھی آگاہ، شریعت سے بھی واقف    پوچھو جو تصوف کی تو منصور کا ثانی

مفعول، مفاعیل، مفاعیل، مفولن۔    یہ کتاب دس اجزا پر مشتمل ہے ــــــ

۱- کتاب السلطان : اس میں حکومت کے ڈھنگ بتائے گئے ہیں -
۲- کتاب الحرب : فنِ حرب پر مفید ابحاث -
۳- کتاب السودد : آپ اپنے حلقہ میں کیسے معزز بن سکتے ہیں -
۴- کتاب الطبائع والاخلاق المذمومۃ -
۵- کتاب العلم والبیان : اس میں ایک اچھا انشاء پرداز اور مقبول مقرر بننے کے اصول بتائے گئے ہیں -
۶- کتاب الزھد : پوچھو جو تصوّف کی تو منصور کا ثانی -
۷- کتاب الاخوان : جہاں رام ہوتا ہے میٹھی زبان سے -
۸- کتاب الحوائج : ؎ حرص کرواتی ہے سب روباہ بازی ورنہ یاں
اپنے اپنے بوریئے پر جو گدا تھا شیر تھا (درد)
۹- کتاب الطعام : ؎ دنیا بھی اک بہشت ہے اللہ رہے کرم
کن نعمتوں کا حکم دیا ہے جواز کا (بحر سریع)
۱۰- کتاب النساء : مقدمۃ الکتاب کے بعض حکیمانہ جملے اتنے دلکش ہیں کہ ان کا ترجمہ پیش نہ کرنا یقیناً بخل ہوگا۔ لیکن خوف طوالت کی وجہ سے ان کو نظرانداز کیا جاتا ہے -
(باقی آئیندہ)

**علمائے دین کے بچوں اور دینی مدارس کے طلبہ کیلئے وظائف** | محکمہ اوقاف مغربی پاکستان نے گذشتہ سال دوسو انہتر (۲۶۹) طلباء اور طالبات کو تقریباً چالیس ہزار روپے کے تعلیمی وظائف دئے تھے۔ حالیہ سال پر محکمہ اوقاف پنجاب نے پچاس ہزار روپے وظائف کیلئے مختص کئے ہیں جس سے صوبہ پنجاب کے دینی مدارس میں دورۂ حدیث اور درسِ نظامی میں تعلیم پانے والے باقاعدہ طلباء کو اور علماء کے ان بچوں کو وظائف دئے جائیں گے جو صوبے کے کسی منظور شدہ سکول، کالج یا یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم ہوں۔ اور جنکی تعلیمی حالت تسلی بخش ہو ۔۔۔ صوبہ پنجاب میں مستقل سکونت رکھنے والے حضرات اس منصوبے کے متعلق شرائط نامہ اور درخواست کے فارم دس پیسے کے ڈاک کے ٹکٹ بھیج کر منگوا سکتے ہیں۔ درخواست دینے کی آخری تاریخ ۱۲ نومبر ۱۹۷۰ء ہے البتہ دینی مدارس میں داخلہ لینے والے نئے طلباء ماہِ شوال ۱۳۹۰ھ میں بھی درخواستیں دے سکتے ہیں۔ اس کے بعد کوئی درخواست قبول نہیں کی جائے گی۔

ڈائریکٹر معاشرتی سروے شعبہ تعلیم ومطبوعات، اوقاف پنجاب
شاہ چراغ چیمبرز شارع قائد اعظم لاہور

مولانا نور محمد غفاری ایم۔ اے
بہاولنگر

رمضان شریف کی مبارک اور بابرکت راتوں میں ایک رات "لیلۃ القدر" کہلاتی ہے۔ اردو میں اسی کو شبِ قدر یعنی عزت اور شان والی رات کہا گیا ہے۔ یہ رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کیلئے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اور اس امت کے لئے ہی خاص ہے۔ جیسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ شب قدر حق تعالیٰ شانہٗ نے میری امت کو مرحمت فرمائی ہے، پہلی امتوں کو نہیں ملی۔ (درمنثور)

خداوند قدوس نے قرآن مجید میں اس رات کو ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل فرمایا ہے۔ ہزار مہینے کے ۸۳ سال ۴ ماہ بنتے ہیں۔ اور پھر اس زیادتی کا بھی حال معلوم نہیں کہ ...۱ مہینوں سے کتنے ماہ زیادہ افضل ہے۔ الغرض خداوند قدوس کا بہت ہی بڑا احسان ہے۔ بشرطیکہ ہم لوگ اس احسان کی قدر کریں ؎

اس کے الطاف ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

انعام کا سبب | عقل کا تقاضا یہ ہے کہ نعمت کا سبب تلاش کرنے کی بجائے اس نعمت کی قدر کی جائے اور اسے قبول کر لیا جائے۔ سبب معلوم کرنے والی مثال تو اس شخص کی سی ہے کہ بادشاہ حکم دے کہ میرے خزانے میں سے جس کا جتنا جی چاہے لے جائے۔ دوسرے لوگ مال جمع کرنے اور لے جانے میں مصروف ہوں اور وہ یہ جاننے میں لگا رہے کہ بادشاہ نے ایسی بخشش کیوں کی ہے؟ حتیٰ کہ سارا خزانہ ختم ہو جائے، لیکن دنیا کی پرانی عادت ہے کہ جب تھوڑا سا کام کرنے پر بہت زیادہ مزدوری دی جائے۔

ادنیٰ درجے کے وفادار کو راز دار بنالیا جائے اور معمولی سے اچھے کام کرنے والے پر تعریف کے ڈونگرے برسائے جائیں تو لوگ کہہ اُٹھتے ہیں کہ ایسا کیوں ہے۔ ؟ کچھ یہی حال شب قدر کی عبادت پہ نیکی کا ہے۔ کیونکہ وہ بھی عام راتوں کی طرح ایک رات ہے۔ مگر اس کا اتنا ثواب کیوں ۔ ؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ چند ایک مندرجہ ذیل ہیں :-

۱۔ علامہ سیوطیؒ نے لباب النقول میں ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ ایک ہزار مہینے تک خدا کے راستے میں جہاد کرتا رہا۔ صحابہ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس پر رشک آیا تو اللہ تعالیٰ نے اسکی تلافی کے لئے اس رات کا نزول فرمایا۔

۲۔ بعض احادیث میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی امتوں کی عمروں کو دیکھا کہ بہت بڑی ہیں اور آپ کی امت کی عمریں بہت کم ہیں۔ لہذا عمل میں آپ کی امت امم سالقہ کے لوگوں کی برابری نہیں کرسکتی۔ آپ کو یہ بات شاق گذری۔ اسکی تلافی کیلئے یہ رات مرحمت ہوئی۔

۳۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے چار حضرات حضرت ایوبؑ، حضرت ذکریاؑ، حضرت یوشعؑ، حضرت حزقیل کا ذکر فرمایا کہ یہ اسی اسی سال تک اللہ کی عبادت میں مشغول رہے اور آنکھ جھپکنے کے برابر بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی۔ اس پر صحابہ اکرامؓ کو حیرت ہوئی تو حضرت جبرئیلؑ حاضر ہوئے اور سورہ القدر پڑھ کر سنائی۔

الغرض، اسی نوعیت کی چند دیگر روایات ہیں لیکن مضمون ان سب کا یہی ہے کہ یہ رات ہم لوگوں کے لئے ایک عظیم نعمت ہے جسکے نتیجے میں تھوڑی سی محنت پر ہمیں بہت زیادہ اجر ملتا ہے۔

**رات کا تعین قرآن کی روشنی میں** | قرآن مجید کے مطالعہ سے جو بات سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ لیلۃ القدر رمضان شریف میں ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن کا نزول اسی رات میں ہوا اور اس کے متعلق قرآن حکیم میں ارشاد ہے : اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ۔ بیشک ہم نے اس (قرآن) کو مبارک رات میں اتارا۔

دوسرے مقام پہ فرمایا : اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۔ بیشک ہم نے اس (قرآن) کو عزت والی رات میں اتارا ۔ (القدر : ۱)

تیسرے مقام پر فرمایا : شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِی اُنْزِلَ فِیهِ الْقُرْآنُ - رمضان وہ مہینہ ہے جس میں ہم نے قرآن اتارا - (البقرہ ۲)

انزال اور تنزیل کی بحث سے ہٹ کر یہاں یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآنِ حکیم "مبارک رات" میں اترا وہ "مبارک رات" لیلۃ القدر ہے۔ اور تیسرے فرمان (فیہ شہر رمضان الخ) کے موجب لیلۃ القدر رمضان میں ہے۔ جبھی تو اس میں قرآن نازل ہوا۔ لیکن یہ نہیں فرمایا کہ رات کونسی ہے۔

<u>حدیث شریف اور آثارِ صحابہؓ کی روشنی میں</u> | عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتی ہیں کہ لیلۃ القدر کو رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ (مشکوٰۃ عن بخاری)

حضرت مولانا ذکریا مدظلہٗ تحریر فرماتے ہیں : "جمہور علماء کے نزدیک اخیر عشرہ اکیسویں رات سے شروع ہوتا ہے۔ عام ہے کہ مہینہ ۲۹ کا ہو یا ۳۰ کا، اس حساب سے حدیث بالا کے مطابق شب قدر کی تلاش ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ راتوں میں کرنا چاہیے۔ اگر مہینہ ۲۹ کا ہو پھر بھی اخیر عشرہ یہی ہے۔ مگر علامہ ابن حزمؒ کی رائے ہے کہ عشرہ کے معنی دس کے ہیں۔ لہٰذا اگر چاند ۳۰ کا ہو تو تب تو یہ ہے۔ لیکن اگر ۲۹ کا ہو تو اس حساب سے اخیر عشرہ بیسویں شب سے شروع ہوتا ہے۔ اس صورت میں وتر راتیں یہ ہوں گی ۲۰، ۲۲، ۲۴، ۲۶، ۲۸۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ القدر ہی کی تلاش میں رمضان المبارک کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور بالاتفاق اکیسویں شب سے شروع ہوتا تھا۔ اس لئے بھی جمہور کا قول اکیسویں رات سے طاق راتوں میں قوی احتمال ہے، زیادہ راجح ہے۔ اگرچہ احتمال اور راتوں میں بھی ہے اور دونوں قولوں پر تلاش جب ممکن ہے کہ بیسویں شب سے لیکر عید کی رات تک ہر رات میں جاگتا رہے اور شب قدر کی فکر میں لگا رہے۔ دس گیارہ راتیں کوئی ایسی مشکل چیز نہیں جن کو جاگ کر گذار دینا اس شخص کے لئے کچھ مشکل ہو جو ثواب کی امید رکھتا ہو ۔

عرفی اگر بگریہ میسّر شدے وصال		صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

(فضائل رمضان ص۱۱)

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں شب قدر کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا آج کونسی رات ہے؟ عرض کیا گیا ۲۲ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آج ہی کی رات میں تلاش کرو"

۳۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ میں نے پیارے سردار صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ شب قدر نبی کے زمانے کے ساتھ خاص رہتی ہے، یا بعد میں بھی ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قیامت تک رہے گی" میں نے عرض کیا کہ رمضان کے کس حصے میں ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا عشرہ اوّل اور آخر میں تلاش کرو۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور باتوں میں لگ گئے۔ میں نے موقع پاکر پوچھا یہ تو فرمائیے کہ عشرہ کے کس حصے میں ہوتی ہے۔ آپ مجھ پر اتنے خفا ہوئے کہ اتنے کبھی پہلے نہیں ہوئے تھے، نہ بعد میں۔ اور فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا مقصود ہوتا تو بتلا نہ دیتے۔ آخر کی سات راتوں میں تلاش کرو اور کچھ نہ پوچھو۔

۴۔ ایک صحابیؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین طور پر ۲۳ کی شب ارشاد فرمائی۔

۵۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں سو رہا تھا مجھے کسی نے خواب میں کہا اٹھ آج شب قدر ہے۔ میں جلدی سے اٹھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا دیکھا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ ۲۳ کی شب کا قصہ ہے۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں جو شخص سارا سال جاگے وہ اس رات کو پا سکتا ہے۔ گویا کہ وہ سال بھر میں اس رات کے دائر رہنے کے قائل ہیں۔

۷۔ حضرت ابی بن کعبؓ قسم کھا کر بتلایا کرتے تھے کہ یہ ستائیس ۲۷ کی شب میں ہوتی ہے۔

اقوال ائمہ کرام، اولیاء عظام اور علماء امت | ۱۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ یہ رات تمام سال میں دائر رہتی ہے۔

۲۔ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ رمضان کی کسی ایک رات میں ہے، لیکن رات متعین نہیں۔

۳۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا فرمان ہے۔ کہ رمضان شریف کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں دائر رہتی ہے۔

۴۔ شافعیہ ۲۱ کی شب بتاتے ہیں۔

۵۔ جمہور کے نزدیک ۲۷ ویں رات میں زیادہ امید ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تحقیق | آپ فرماتے ہیں شب قدر سال میں دو مرتبہ ہوتی

ہے۔ ایک وہ رات جس میں احکام و فرامین خداوندی نازل ہوئے ہیں اور اسی رات میں قرآن مجید لوح محفوظ سے آسمان زمین پر اترا۔ یہ رات رمضان کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام سال میں گردش کرتی رہتی ہے۔ لیکن جس سال قرآن پاک نازل ہوا۔ اس سال یہ رات رمضان المبارک میں تھی۔ اور اکثر و بیشتر رمضان شریف کے مہینے میں ہی ہوتی ہے۔ دوسری شب قدر وہ ہے جس میں روحانیت کا ایک خاص انتشار ہوتا ہے۔ ملائکہ بکثرت زمین پر اترتے ہیں۔ اور شیاطین دور رہتے ہیں، دعائیں اور عبادتیں قبول ہوتی ہیں۔ یہ ہر رمضان میں ہوتی ہے اور اخیر عشرہ کی وتر راتوں میں ہوتی ہے اور بدلتی رہتی ہے۔

۷۔ شیخ العارفین محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں۔ "میرے نزدیک ان لوگوں کا قول زیادہ صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ تمام سال میں دائر رہتی ہے۔ کیونکہ میں نے اسے دوبار شعبان میں دیکھا ایک مرتبہ ۱۵ کو اور ایک مرتبہ ۱۹ کو اور دو مرتبہ رمضان کے درمیانی عشرہ میں ۱۳ کو اور ۱۸ کو اور رمضان کے اخیر عشرہ کی ہر طاق رات میں دیکھا ہے۔" (بحوالہ فضائل رمضان صـ۴۶ از حضرت مولانا محمد ذکریا مدظلہ)

بہر حال شب قدر ایک ہو یا دو ہر شخص کو اسکی طلب میں جویاں و کوشاں رہنا چاہئے بہتر ہے کہ سارا سال اس کی تلاش میں سعی کی جائے۔ نہ ہو سکے تو رمضان بھر جستجو کرے۔ آخر یہ بھی مشکل ہو تو عشرہ اخیرہ کو غنیمت جانے اور اگر نفوس اتنے ہی کمزور پڑ گئے اور دنیا کی محبت نے اتنا زیادہ غلبہ کر لیا ہو کہ اس سے چھوٹ کر ان راتوں میں مشغول نہ ہو سکے تو ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ کو تو ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دے۔ اور اگر خدا نخواستہ یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر ۲۷ کی رات کو تو بہر حال غنیمت بار دہ سمجھنا ہی چاہیئے کہ اگر تائید ایزدی شامل ہو اور اگر کسی خوش نصیب کو یہ دولت گرانمایہ میسر آجائے تو پھر دنیا بھر کی نعمتیں اور مسرتیں اس کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ اور اگر گوہر مراد ہاتھ نہ بھی لگے تو پھر بھی اجر سے تو خالی نہیں۔

# پرچم نبویؐ پر ایک تحقیقی نظر

مولانا عبدالعلیم جالندھری
اشرف المدارس
لائل پور

**پرچم نبویؐ کے اقسام وکیفیات** | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کی حدیث میں دو قسمیں آئی ہیں۔ ۱۔ لواء (چھوٹا جھنڈا) ۲۔ رایۃ (بڑا جھنڈا) چنانچہ نہایۃ میں ہے الرایۃ العلم الضخم کہ رایۃ بڑے جھنڈے کو کہتے ہیں: وکان اسم رایۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم العقاب۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے جھنڈے کا نام عقاب تھا۔ اور مغرب میں یوں تحریر ہے کہ لواء لشکر کے چھوٹے جھنڈے کا نام ہے۔ اور رایۃ لشکر کے بڑے جھنڈے کا نام ہے۔ اور اس کو ام الحرب (اصل جنگ) بھی کہا جاتا ہے اور علامہ توربشتیؒ نے فرمایا کہ رایۃ وہ مرکزی جھنڈا ہوتا تھا جس کو جنگ کے سپہ سالار سنبھالے ہوئے ہوتا تھا اور اسی کے ارد گرد معرکہ جنگ بپا ہوتا تھا۔ اور لواء وہ چھوٹا پرچم ہوتا تھا جو محض امیر کے مقام، خیمہ کی علامت ہوتا تھا۔ جہاں کہیں امیر کی رہائش منتقل ہوتی تھی۔ وہ بھی وہیں منتقل کر دیا جاتا تھا۔ ہاں البتہ بعض محدثین نے لواء بڑا جھنڈا قرار دیا ہے۔ لیکن وہ باعتبار میدان حشر کے ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میرے ہاتھ میں لواء ہوگا، جس کے نیچے حضرت آدم علیہ السلام اور بقیہ بنی نوع انسان ہوں گے۔

رہی یہ بات کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈوں کے رنگ کیسے تھے تو حدیث شریف میں ہے کہ لواء چھوٹا جھنڈا سفید رنگ کا تھا اور بڑے جھنڈوں میں ایک احمر (سرخ رنگ) اغبر (مٹی رنگا) صفراء (زرد رنگ) کا پرچم بھی احادیث میں آتا ہے۔ لیکن جمہور محدثین صفراء، واحمر کی روایات میں سے صرف اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے جھنڈے کو سفید وسیاہ دھاریوں والا قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی مرکزی جھنڈے کا نام عقاب ہے۔ اور اسی کو معرکہ بدر وغزوہ موتہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے لہرایا وسربلند کیا۔

یورپ کے بعض مستشرقین کی فریب خوردگی | چونکہ احادیث شریف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے جھنڈے کا نام عقاب ذکر کیا گیا ہے۔ اس لفظ عقاب کی بناء پر بعض مستشرقین نے یوں لکھ دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے پر عقاب (شاہین) کی تصویر بنی ہوئی تھی یہ بات قطعاً غلط ہے صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرکزی جھنڈے کا نام عقاب تجویز فرمایا جس میں مومن کی فکری پرواز کی سربلندی کیطرف اشارہ تھا۔

ذکر دیاق احادیث | ۱۔ عن موسی بن عبیدۃ مولی محمد بن قاسم قال بعثنی محمد بن القاسم الی براء بن عازبؓ یسئلہٗ عن رایۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال کانت سوداء مربعۃ من نمرۃ ۔ (مسند احمد بن حنبل وترمذی وابن ماجہ)

محمد بن قاسم کے غلام موسیٰ بن عبیدہ فرماتے ہیں کہ مجھے محمد بن قاسم نے براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا تاکہ میں ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے بارے میں دریافت کروں کہ وہ کس قسم کا تھا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ آپ کا بڑا جھنڈا چوگوشہ سیاہ وسفید دھاریوں والا تھا۔

فائدہ | اس حدیث شریف میں لفظ نمرہ کے معنی سیاہ وسفید دھاریوں کے ہیں۔ جیساکہ رئیس المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے بذل المجہود فی حل ابی داؤد جلد ۳ صد ۲۳۰ اور دنیار اسلام کے عظیم محدث علی القاری نے مرقات جلد ۷ صد ۳۲۵ اور حاشیہ ابی داؤد للعامہ سید علی بن سلیمان صد ۱۱۲ اور لمعات کے مصنف شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لمعات صد ۳۷ جلد ۳ میں۔ غرضیکہ تمام شارحین حدیث (محدثین) اس پر متفق ہیں کہ نمرہ اس چادر کو کہا جاتا ہے جس میں سیاہ وسفید دھاریں ہوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا جھنڈا اسی نمرہ سے بنایا جاتا تھا۔ نیز اس حدیث کے لفظ مربع کی تشریح قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے کوکب الدری جلد اول صد ۴۳۰ پر یوں منقول ہے۔

قولہ مربعۃ من نمرۃ ولعلہا انصفت حتیٰ صارت مربعۃ فان النمرۃ لاتکون مربعۃ بل طولہا ازید عن عرضہا کمافی الرداء ۔ یہ عبارت علماء کرام کے لئے دعوتِ فکر ہے۔

۲۔ عن ابن عباسؓ قال کانت رایۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سوداء ولوائہٗ

ابیض ۔ (ترمذی شریف و ابن ماجہ شریف)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا جھنڈا سیاہ و سفید دھاریوں والا تھا اور آپ کا چھوٹا جھنڈا سفید رنگ کا تھا۔

فائدہ | حدیث شریف میں لفظ سوداء پر تمام محدثین نے یہی لکھا ہے کہ اس سے مراد خالص سیاہ نہیں ہے، بلکہ سیاہ و سفید دھاریاں مراد ہیں جیسا کہ حضرت گنگوہیؒ سے کوکب الدری جلد اول صفحہ ۴۳۰ پر منقول ہے۔

ثم انما ذکر من سوادہ فانما ھو تغلیب اوبناء علی ما کان یبصر من بعید والا فقد کان فیہ خطوط سود و بیض - (فافہم واستقم)

علامہ ابوالشیخ الاصبہانی المتوفی ۳۶۹ھ نے اپنی کتاب اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لِوآء یعنی چھوٹے جھنڈے اور رایۃ یعنی بڑے جھنڈے پر بارہ احادیث نقل فرمائیں ہیں۔ اختصار کے پیش نظر ہم صرف ایک حدیث اور ذکر کرتے ہیں۔ عن الحسن رضی اللہ عنہ قال کانت رایۃ النبیؐ تسمّٰی العقاب - حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے جھنڈے کا نام عقاب رکھا جاتا تھا۔

پرچم کی سربلندی کیلئے جان نثاری | حدیث شریف میں آتا ہے کہ غزوہ موتہ میں حضرت زید بن حارثہؓ پرچم نبویؐ تھامے ہوئے کفار کو قتل کرتے ہوئے بہت آگے بڑھ گئے۔ حتیٰ کہ کفار نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے ان کے شہید ہوتے ہی حضرت جعفر طیارؓ رضی اللہ عنہ دوڑ کر آگے بڑھے اور اس پرچم نبوی کو سنبھال لیا۔ حضرت جعفرؓ نے بہت سے کفار کو قتل کیا۔ آخر ان کا گھوڑا زخمی ہو کر گرا اور وہ پیادہ دشمنوں سے لڑتے رہے۔ دشمنوں نے ان کو بھی اپنے نرغہ میں لے لیا بالآخر ان کا دایاں ہاتھ کٹ کر الگ جا گرا اور انہوں نے بائیں ہاتھ سے جھنڈے کو سنبھالے رکھا اور جب بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو پرچم نبوی کو گردن سے لگا کر سینے سے سنبھالے رکھا۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے آگے بڑھ کر علم نبویؐ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ جب وہ شہید ہو گئے تو اسلامی پرچم گر گیا۔ اتنے میں حضرت ثابت بن اقرم نے فوراً آگے بڑھ کر پرچم نبویؐ کو اٹھا لیا۔ اور تمام مسلمانوں کے اتفاق سے حضرت خالد بن ولید کے سپرد کر دیا گیا جن کی سات تلواریں اس جنگ میں ٹوٹیں اور آخر فاتح ہوئے۔

علی محسن صدیقی۔ کراچی یونیورسٹی۔ کراچی۔
استاد تاریخ اسلام

## فاتح صِقلّیہ
# اسدِ بن فرات

اسد بن فرات کی شخصیت بڑی پہلودار تھی، وہ ایک محدّث، فقیہہ، قاضی اور عالم ہی نہ تھے، بلکہ ایک سپہ سالار، امیرالبحر اور فاتح بھی تھے۔ اسد کی زندگی کے اسی عسکری پہلو سے ہم کسی قدر آئندہ سطروں میں بحث کریں گے۔ مگر ان کی اس حیثیت پر گفتگو کرنے سے پہلے مغربی سمندروں میں مسلمانوں کی جاں سپاریوں کا اجمالی جائزہ لینا ضروری ہے۔

اگرچہ مسلمانوں کی بحری معرکہ آرائیوں کا آغاز عہد فاروقی میں ہوا اور عامل بحرین حضرت علاء بن حضرمی نے ایران پر بحری راستے سے حملہ کیا، مگر جہازوں کی کمی کے باعث اس مہم کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور حضرت عمرؓ نے مزید بحری پیش قدمیوں کی اجازت نہ دی۔[۱] اسلامی بحریہ کا باقاعدہ آغاز دراصل حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ہوا۔ اسی اسلامی بحری بیڑے نے سنہ ۲۸ھ میں          کے جزیرے پر قبضہ کیا۔[۲] اس جنگ میں شامی بیڑے کی قیادت امیر شام حضرت معاویہؓ نے کی، اور مصری بیڑے کی قیادت حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح والئ مصر نے کی۔ اس کے بعد جب سنہ ۳۱ھ میں جنگ ذات الصواری میں رومیوں کے بحری بیڑے سے اسکندریہ کے قریب معرکہ آرائی ہوئی تو مصر و شام کے مشترکہ بحری بیڑے نے رومیوں کو عبرتناک شکست دی۔[۳] جنگ ذات الصواری کی شکست دراصل بحر روم سے رومی بحریہ کی سیادت کا خاتمہ تھی۔ بقول حتی یہ جنگ رومیوں کے حق میں دوسری "جنگ یرموک" ثابت ہوئی۔[۴] اب شام و مصر کے سواحل اسلامی بحری افواج کی جولاں گاہ بن گئے۔ اور رفتہ رفتہ مسلمان بحر روم کے متعدد اہم جزائر پر قابض ہو گئے۔

حضرت معاویہؓ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں نے وسیع پیمانے پر رومیوں کے خلاف جنگوں کا سلسلہ شروع کیا۔ سنہ ۴۹ھ میں امیرالبحر عبداللہ بن قیس کی سرکردگی میں والئ مصر حضرت معاویہؓ بن          نے دو سو جہازوں کا بیڑا صقلیہ پر حملے کے لئے روانہ کیا۔[۵] اور یوں شمالی

افریقہ اور شام و مصر کے سواحل بحری معرکہ آرائیوں کی جولاں گاہ بن گئے۔ ۴۹ھ میں رومیوں نے سواحل شام پر بڑے وسیع پیمانے پر حملہ کیا مگر اسلامی بیڑے کے ہاتھوں انہیں شکست کھا کر پسپا ہونا پڑا۔[۶] اسی زمانہ میں قسطنطنیہ پر مسلمانوں نے بحری راستے سے حملہ کیا اور شہر قیصر کا دوبارہ محاصرہ کیا۔[۷] حضرت معاویہؓ ہی کے زمانے میں شام میں عسکا کے ساحلی شہر میں جہاز سازی کا کارخانہ قائم ہوا۔ اس سے پہلے ایسے کارخانے صرف مصر میں تھے۔ ان کارخانوں کو دارالصناعۃ کہتے تھے۔[۸] مغربی زبانوں کا درسنہ یا آرسنل اسی دارالصناعۃ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔[۹]

اس کے بعد رومیوں کے خلاف بحری جنگوں میں شدت پیدا ہوئی اور جنادہ بن ابی امیہ ازدی نے جزیرۂ روڈس پر قبضہ کر لیا۔ ۵۴ھ میں قسطنطنیہ کے قریب بحیرۂ مارمرہ میں جزیرۂ ارواد پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ پھر کریٹ پر حملہ کیا گیا۔[۱۰]

عہد عبدالملک میں والیٔ افریقہ حسان بن نعمان نے تونس کے مقام پر جہاز سازی کا بہت بڑا کارخانہ قائم کیا۔[۱۱] والیٔ افریقہ موسیٰ بن نصیر لخمی نے ۸۴ھ میں اس کارخانے کو وسعت دی اور بحری بیڑے کو یوں مزید استحکام بخشا کہ تونس کے شہر کو جو ساحل سمندر سے بارہ میل دور تھا ساحل سے ملا دیا۔[۱۲] اسی طرح بنو مرواں کے عہد میں ہی شام میں عسکا کے دارالصناعۃ کو بعض جنگی مصلحتوں کی بناء پر صور منتقل کر دیا گیا۔[۱۳]

موسیٰ کے عہد امارت میں بحر روم کے جزائر پر کامیاب اور مسلسل حملوں کے سلسلے دوبارہ شروع ہوئے۔[۱۴] موسیٰ کا حملۂ اندلس ان کی بحری معرکہ آرائیوں کا نقطۂ عروج تھا۔

ولید کے عہد میں مسلمان بحری بیڑے اپنی کارکردگی اور وسعت کے لحاظ سے بڑی اہمیت کے حامل تھے۔[۱۵]

ولید کے جانشین سلیمان کے زمانے میں اسلامی بحریہ نے رومیوں پر کامیاب حملے کئے اور ۹۸ھ میں مسلمہ کی سرکردگی میں قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا گیا جو ۹۹ھ میں سلیمان کی وفات تک جاری رہا۔[۱۶]

اسلامی بحری افواج کی ترتیب و تنظیم کا کام عہد ہشام میں از سر نو کیا گیا اور ۱۱۷ھ میں تونس کے بحری مرکز سے دور دراز کے علاقوں میں خود مختار یا نیم خود مختار حکومتیں قائم ہونے لگیں۔ خصوصاً مغربی صوبوں میں ان کے اقتدار کا نقشہ نہ جم سکا اور وہاں اندلس میں

امارت[18] اور مغرب اقصیٰ میں آلِ حسنؓ ادریسی حکومت وجود میں آئیں۔[19] اس خوف سے کہ مبادا یہ حریف طاقتیں مصر کی جانب پیش قدمی کریں۔ ۱۸۴ھ میں ہارون اعظم نے شمالی افریقہ کی حکومت ایک نامور عرب سردار ابراہیم بن اغلب تمیمی کو چالیس ہزار دینار سالانہ کے عوض موروثی طور پر عطا کر دی۔[20] اس اغلبی سلطنت کی بحری معرکہ آرائی ہماری اس گفتگو کا موضوع ہے۔

۱۹۶ھ میں ابراہیم کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عبداللہ امیر ہوا۔ اس کے عہد میں ۱۹۸ھ میں صقلیہ والوں سے مسلمانوں کی مصالحت ہو گئی اور فریقین نے دس سال تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر لیا۔[21] اس کا جانشین اس کا بھائی زیادۃ اللہ (۲۰۱ھ تا ۲۲۳ھ) ہوا۔ زیادۃ اللہ کو اپنے ابتدائی عہد حکومت میں خانہ جنگیوں کا سامنا کرنا پڑا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ۲۰۹ھ میں ملک کا بڑا حصہ اس کے قبضے سے نکل گیا۔ اور صرف ایک چھوٹا سا ٹکڑا اس کے پاس رہ گیا۔[22] اس انتشار سے فائدہ اٹھا کر صقلیہ کے رومی امیر البحر فیمی نے افریقہ کے ساحل پر تاخت و تاراج کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور ۱۹۸ھ کے دس سالہ معاہدۂ متارکۂ جنگ کو بالائے طاق رکھ دیا۔[23] جب زیادۃ اللہ کو داخلی انتشار سے فرصت ملی تو اس نے رومیوں کی طرف توجہ کی۔ حسنِ اتفاق سے اسی زمانہ میں رومی امیر البحر صقلیہ فیمی ایک جرم کی پاداش میں معتوب ہوا۔ مایوسی اور غصہ کے عالم میں اسکی آتشِ انتقام بھڑک اٹھی۔ وہ سیدھا قیروان آیا۔ اور زیادۃ اللہ سے صقلیہ پر حملہ آور ہونے اور رومیوں کے خلاف جنگ کرنے کی درخواست کی۔ اس کے ساتھ ہی صقلیہ سے رومی سفارت بھی آئی اور تجدید معاہدہ کی خواہاں ہوئی۔ اس مسئلہ سے متعلق کسی فیصلہ تک پہنچنے کی غرض سے زیادۃ اللہ نے مجلس مشاورت طلب کی۔ حاضرین میں قاضی القضاۃ اسدبن فرات بھی تھے۔ انہوں نے واشگاف الفاظ میں اس رائے کا اظہار کیا کہ اہل صقلیہ نے معاہدۂ صلح کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس لئے جزیرہ پر حملہ کر کے اسے دارالاسلام بنا لینا چاہیئے۔ کے بعد اس رائے کو تسلیم کیا گیا۔ اور زیادۃ اللہ نے ایک بحری مہم تسخیر صقلیہ کی غرض سے قاضی اسد بن فرات کی سرکردگی میں روانہ کی۔[24]

جزیرۂ صقلیہ پر مسلمانوں کا یہ حملہ اپنی نوعیت کا پہلا حملہ نہ تھا بلکہ اس سے پہلے بھی مسلمان اس پر چودہ پندرہ بار حملہ آور ہو چکے تھے[25] اور اس کے ایک حصے سرقوسہ پر ان کا عارضی طور پر قبضہ بھی رہا تھا۔ مگر اب کی بار وہ اس ارادے سے نکلے تھے

کہ پورے جزیرے کو دارالاسلام بنالیں۔

اس مہم کے سربراہ قاضی اسد کی کیفیت ابوعبداللہ والد کا نام فرات اور دادا کا نام سنان تھا۔ ان کا خاندان بنو سلیم بن قیس کے موالی میں سے تھا۔ اسد کا آبائی وطن نیشاپور (ایران) تھا۔ ان کی پیدائش سے پہلے ان کے والد ہجرت کر کے حران (دیاربکر) چلے آئے تھے۔ اسد یہیں ۱۴۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ابھی ان کی عمر دو ہی سال کی تھی کہ ۱۴۴ھ میں ان کے باپ محمد بن اشعث کے ہمراہ شمالی افریقہ چلے گئے، اسد بھی ان کے ساتھ تھے۔

اسد پانچ سال تک قیروان میں رہے، ابھی وہ سات برس کے ہی تھے کہ تونس کے ایک گاؤں میں ان کے والد نے سکونت اختیار کر لی۔ اسد نے زندگی کی دس بہاریں یہیں گزار دیں۔ اس زمانہ میں انہوں نے قرآن کی تعلیم مکمل کی۔ سترہ سال کے ہوئے تو تونس شہر کے مشہور عالم علی بن زیاد سے علم حدیث اور فقہ کی تحصیل کی۔ وہ تیس سال کی عمر تک شمالی افریقہ میں مختلف علوم و فنون کے حصول میں منہمک رہے۔ بعد ازاں مزید تحصیل علم کی غرض سے ۱۷۲ھ میں اسد نے مشرق کا رخ کیا۔ اس زمانے میں حجاز اور عراق علوم اسلامیہ کے گہوارے تھے۔ اسد نے ان دونوں چشمہ ہائے علم و حکمت سے فیض اٹھایا۔ وہ پہلے علم حدیث کی تحصیل کی غرض سے حجاز آئے اور مدینہ منورہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام مالک کا حلقہ درس نہ صرف حجاز میں بلکہ پورے عالم اسلام میں اہل مدینہ کی روایات کا امین تھا۔ اہل مصر، افریقہ، مغرب اور اندلس کو اس درسگاہ سے تعلق خصوصی تھا۔ چنانچہ اسد بھی اپنے ہم وطنوں کی تقلید میں امام کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ یہاں انہوں نے امام سے مؤطا کا درس سبقاً سبقاً لیا۔ اس کے بعد انہوں نے استاد سے مزید تحصیل علم کی خواہش کی مگر انہوں نے یہ کہہ کر کہ "وہی تمہارے لئے بھی کافی ہے، جو میں دوسروں کو دے رہا ہوں۔" ان کے تعلیمی سلسلے کی تکمیل کا اعلان کر دیا۔

اس کے بعد اسد کو عراق جا کر فقہ حنفی کی تحصیل کا شوق ہوا۔ استاد سے اجازت لے کر رخصت ہوئے اور بغداد آئے۔ امام اعظمؒ کے تلامذہ میں سے امام ابویوسف، امام محمد اور امام اسد بن عمرو کے حلقہائے درس میں شریک ہوئے اور ان سے فقہ حنفی پڑھی، امام محمد کو ان سے بڑی خصوصیت پیدا ہو گئی تھی، اور عام درس میں شرکت کے علاوہ

اسد کو رات کے وقت بھی وہ پڑھاتے تھے، اور ان کی مالی اعانت سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ ابھی اسد عراق میں حصولِ علم میں مصروف ہی تھے۔ کہ ۱۷۹ھ میں امام مالک نے مدینہ میں وفات پائی۔ اس کے بعد ہی اسد عراق سے وطن روانہ ہوئے۔ راہ میں مصر پڑتا تھا۔ یہاں امام مالک کے ممتاز شاگرد امام عبدالرحمٰن بن قاسم موجود تھے۔ اسد نے فقہ مالکی کی مزید تحصیل کی غرض سے ابن قاسم کے درس میں شرکت کی اور ان سے روزانہ فقہی مسائل پر سوالات کرتے، وہ جو جوابات دیتے، اسد سوال و جواب کی ترتیب سے لکھ لیتے تھے۔ یہ سوال و جواب ساٹھ اجزاء میں مدون ہو گئے اور یہی کتاب دنیا میں فقہ مالکی کی سب سے پہلی کتاب قرار پائی۔ اسد نے اس مجموعے کا نام الاسدیہ رکھا۔ اس کے بعد اسد ۱۸۱ھ میں مصر سے قیروان واپس آئے۔

قیروان میں اسد نے موطا امام مالک اور الاسدیہ کا درس جاری کیا۔ افریقہ و مغرب کے جلیل القدر علماء نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں ان کی شہرت پورے علاقے میں پھیل گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی کتاب الاسدیہ جسے المدونہ بھی کہتے ہیں مشہور ہو گئی۔ درس و تدریس کے فرائض کے علاوہ اسد کے سپرد افتاء کی خدمت بھی تھی۔ افتاء میں ان کی روش یہ تھی کہ وہ عموماً فقہ حنفی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ اور وجہ اسکی یہ تھی کہ اس عہد میں جزئیات جس قدر فقہ حنفی کی منضبط ہو گئی تھیں اتنی فقہ مالکی کی نہ ہوئی تھیں۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اسد نرے مقلد نہ تھے بلکہ مسائل فقہی میں اجتہاد سے کام لیتے تھے اور چونکہ فقہی حنفی ان کے اجتہاد سے قریب تر تھی، اس لئے اسی پر ان کا مدار زیادہ تھا۔

۱۹۱ھ میں افریقہ کے قاضی القضاۃ عبداللہ بن غانم کی وفات کے بعد ابومحرز اس منصب پر فائز ہوئے مگر افریقہ کے علماء و فضلاء کا برابر اصرار تھا کہ اسد جیسے جلیل القدر عالم کی موجودگی میں منصب قضاء پر کسی اور کو فائز کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس لئے والی افریقہ زیادۃ اللہ نے ۲۰۳ھ میں اسد کو مساوی حیثیت سے عہدۂ قضاء میں ابومحرز کا شریک کار بنا دیا۔ اور ۲۱۱ھ میں ابومحرز کو اس عہدے سے معزول کر کے اسد کو بلا شرکت غیرے پورے افریقہ اور مغرب کا قاضی القضاۃ مقرر کیا۔[۲۶]

اسد کی علمی جلالت شان مسلم، مگر ان کی اصل شہرت ان کی فوجی مہارت اور عسکری

قیادت کے باعث ہے۔ ان کی عسکری قیادت کی جولاں گاہ سرزمین صقلیہ ہے۔ اسد کی سرکردگی میں اسلامی لشکر افریقہ کے ساحلی شہر سوسہ سے یوم شنبہ، ۱۵ ربیع الاول ۲۱۲ھ (مطابق ۱۰ جون ۸۲۷ء) کو روانہ ہوا۔ خود زیادۃ اللہ اور اس کے اعیان دولت ساحل سمندر تک لشکر کی مشایعت میں آئے۔ جب لشکر کی روانگی کا وقت آیا تو دس ہزار جاں باز مجاہدین سے جو عرشۂ جہاز پر کھڑے اپنی تلواروں کو لہرا رہے تھے، امیر عسکر نے یوں خطاب کیا:

"دیکھو: میرے آباء و اجداد آج تک کبھی والی مقرر نہیں ہوئے۔ اور میں بھی اس منصب جلیلہ پر فائز نہ کیا جاتا اگر علم کو اپنا زیور نہ بناتا۔ اس لئے علم کی تحصیل میں سعی و کوشش کرو۔ اسی میں جاں فشانی کرو اور اس کے ہو رہو۔ اس راہ میں مصائب و مشکلات کا سامنا ہوتا ہے، تمہیں ان سے خائف نہ ہونا چاہئے۔ مردانہ وار مقابلہ کرو۔ اس سے تم دین و دنیا دونوں میں سربلند ہو سکتے ہو۔"

اس کے بعد اس بیڑے نے لنگر اٹھائے۔ یہ بیڑا سو جنگی جہازوں پر مشتمل تھا، جن میں سات سو سوار اور دس ہزار پیادہ فوج تھی۔ اسد نے صقلیہ جانے کے پامال راستے کو اختیار نہ کیا جو سرقوسہ کو جاتا تھا اور جس پر عموماً مسلمان حملہ آور ہوتے تھے بلکہ انہوں نے صقلیہ کے ایک اور شہر مازر کا رخ کیا، جہاں فوجی استحکامات نسبتہً کم تھے۔ تین دن کی مسافت طے کر کے یہ اسلامی بیڑا ۱۸ ربیع الاول کو مازر کے ساحل پر لنگر انداز ہو گیا۔ شہر پر بڑی آسانی سے قبضہ ہو گیا۔ اسد نے یہاں مورچہ بندی کی اور دشمن کا انتظار کرنے لگے۔ مگر جب تین دن تک دشمنوں کا کوئی دستہ نہ آیا تو انہوں نے شہر پر مسلمان حاکم مقرر کر کے آگے پیش قدمی کی۔ اگلا پڑاؤ مرج پر ہوا، یہاں دشمن پہلے سے موجود تھا۔ اسلامی لشکر بھی ٹھہر گیا۔ مرج میں جو عیسائی لشکر خیمہ زن تھا اسکی مجموعی تعداد ایک لاکھ پچاس ہزار تھی، اور اس میں قسطنطنیہ کی مرکزی امدادی فوج اور صقلیہ کی رومی فوج کے علاوہ وینس کی فوج بھی شامل تھی اس ٹڈی دل کے مقابلے میں اسلامی لشکر کی کل تعداد دس ہزار تھی۔ جب فریقین میدان جنگ میں اترے تو اسد نے مسلمان مجاہدین کو مخاطب کر کے کہا:

"مجاہدو! یہ ساحل کے وہی کفار ہیں جو روپوش ہو کے یہاں جمع ہو گئے ہیں۔ یہ تو تمہارے بھاگے ہوئے غلام ہیں۔"

اس کے بعد وہ علم جنگ لیکر دشمن کی صفوں پر حملہ آور ہوئے، بڑے گھمسان کا رن پڑا۔

خود امیر عسکر اسد شدید زخمی ہوئے، لیکن زخموں کے باوجود انہوں نے علم ہاتھ سے نہ چھوڑا اور اس وقت تک لڑتے رہے جب تک کہ مسلمانوں کو کامل فتح نہ حاصل ہو گئی۔ جنگ میں عیسائی فوج کا بڑا حصہ کام آیا، جو باقی بچے وہ یا تو قید ہوئے یا پھر بھاگ گئے ـــ مرج کی فتح سے آگے بڑھنے کے راستے صاف ہو گئے اور اسلامی فوج نے قرب وجوار کے ایک بڑے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اور بعض مقامی سرداروں سے جزیہ پر صلح کر کے انہیں ان کی حکومتوں پر باقی رکھا۔ اس کے بعد اسد نے اپنی فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے کر کے جزیرے میں پھیلا دئے۔ اور خود آگے بڑھ کر سسلیہ کے پایۂ تخت سرقوسہ کا محاصرہ کر لیا۔ اسی زمانہ میں افریقہ سے امدادی فوج بھی آگئی اس لئے اسد کو بری وبحری راستوں سے شہر کے محاصرہ میں خاصی سہولت ہوئی۔ مگر دوران محاصرہ سرقوسہ کی مدد کے لئے ایک بڑی رومی فوج آگئی۔ اب اسلامی لشکر کی کیفیت یہ تھی کہ ایک طرف اہل شہر اور دوسری طرف یہ نیا عیسائی لشکر اور ان کے بیچ میں مسلمان۔ اس نازک صورت حال کا تدارک یوں کیا کہ اسد نے فوج اسلام کے گرد وسیع اور گہری خندق کھدوائی اور اس سے آگے بڑھ کر ایک بڑی کھائی تیار کروائی اور یوں دونوں عیسائی افواج کے درمیان سد سکندری کیطرح حائل ہو گئے۔ محاصرہ خاصا طویل ہو گیا اور جہاں محصورین کو بڑی سختیاں جھیلنی پڑیں وہیں لشکر اسلام نے بھی بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ اسلامی لشکر پر سب سے بڑی افتاد یہ پڑی کہ محاصرہ کے دوران امیر لشکر قاضی اسد بن فرات نے بہتر سال کی عمر میں ربیع الآخر ۲۱۳ھ میں زخموں سے انتقال کیا۔ انہیں اسی سرزمین میں سپرد خاک کیا گیا اور بطور یادگار ان کی قبر پر ایک مسجد تعمیر کی گئی۔ جب اسد کی وفات کی خبر افریقہ پہنچی تو کہرام مچ گیا۔ زیادۃ اللہ کو اس کا بڑا رنج ہوا۔ یہاں بھی ان کی یادگار کے طور پر ایک مسجد تعمیر کی گئی ـــ قیروان کی یہ مسجد آج بھی موجود ہے اور اس پر اسد بن فرات کا نام کندہ ہے۔ اسد نے صقلیہ کے جن مقامات پر قبضہ کیا وہاں باقاعدہ حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ انہوں نے مازر کو اپنا مرکز بنایا اور مازر سے سرقوسہ تک کے علاقے زیر نگیں کئے۔ بعض قلعوں میں اپنے آدمی متعین کئے اور بعض قلعوں کو ان کے سابق مالکوں کی تحویل میں جزیہ کی ادائیگی کی شرط پر رہنے دیا۔ اسد کا یہ نظام بعد کے مسلمان گورنروں نے بھی ایک عرصہ تک باقی رکھا۔

مختصر یہ کہ اسد بن فرات جب بساط علم وقضا سے اٹھ کر میدان جنگ اور دربار حکومت میں آئے تو انہوں نے اپنی پامردی، دور اندیشی اور شجاعت سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ ایک بہادر سپاہی، ماہر سپہ سالار اور مدبر گورنر بھی ہیں۔ ایسے جامع الصفات بزرگ کم ہی پیدا ہوتے ہیں۔

## حواشی

۱؎ محمد بن جریر طبری۔ تاریخ الامم والملوک۔ مطبوعہ دار المعارف، مصر ۱۹۶۲-۱۹۶۳ء جلد چہارم صـ۱۷۹،
صـ۲۵۴ و ۲۵۹۔ ۲؎ ایضاً صـ۲۵۸ ۳؎ ایضاً صـ۲۸۸، صـ۲۹۲، ۴؎ فلپ کے حتی۔ ہسٹری آف
دی عربس۔ مطبوعہ میکملن اینڈ کو، نیویارک ۱۹۵۰ء صـ۲۰۱۔ ۵؎ احمد بن یحیی بلاذری۔ فتوح البلدان،
مطبوعہ مطبعہ استقامت، مصر صـ۲۳۷۔ ۶؎ ایضاً صـ۱۲۴۔ ۷؎ طبری، جلد پنجم صـ۲۳۲ ۸؎
بلاذری صـ۱۲۴۔ ۹؎ سید سلیمان ندوی، لغات جدیدہ۔ مطبوعہ دار المصنفین، اعظم گڑھ ۱۳۵۶ھ
صـ۱۱ و جرجی زیدان۔ تاریخ الاسلامی۔ مطبوعہ دار الہلال، مصر ۱۹۵۰ء جلد اول صـ۲۱۹۔
(جدید عربی میں اسے ترسانہ اور ترسنہ کہتے ہیں۔) ۱۰؎ بلاذری، صـ۱۳۷ و طبری جلد پنجم صـ۲۹۳۔
۱۱؎ ابن خلدون۔ المقدمہ۔ مطبوعہ مکتبہ تجاریہ کبری، مصر، صـ۲۵۳ ۱۲؎ ابن ابی
المونس فی اخبار افریقیہ وتونس۔ مطبع دولت تونسیہ، تونس، ۱۲۸۶ھ صـ۳۸۔ ۱۳؎ بلاذری صـ۱۲۵
(بلاذری کی عام روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ہشام دار الصناعۃ کو صور لے گیا۔ ایک
دوسری روایت سے جو واقدی سے مروی ہے یہ پتہ چلتا ہے کہ جب بنو مروان منصب خلافت
پر فائز ہوئے تو دار الصناعۃ کو صور لے گئے۔ متوکل کے عہد تک دار الصناعہ صور
ہی میں رہا۔) ۱۴؎ عز الدین ابن الاثیر۔ الکامل فی التاریخ۔ مطبوعہ بریل لندن ۱۸۶۶ء جلد ۴ صـ۲۱۶۔
۱۵؎ ابن ابی دینار المونس فی اخبار افریقیہ وتونس صـ۳۳۔ ۱۶؎ ابن الاثیر، جلد پنجم صـ۱۷۰
وتاریخ الاسلامی، جلد اول صـ۲۱۷ و ابو عبد اللہ محمد قیروانی۔ کتاب المونس فی اخبار
افریقیہ وتونس۔ مطبوعہ دولت تونسیہ صـ۳۸، صـ۳۹۔ ۱۷؎ طبری، جلد ششم صـ۵۲۳، صـ۵۳۰، صـ۵۳۱۔
۱۸؎ شیخ الاسلام جلال الدین سیوطی۔ تاریخ الخلفاء۔ مطبوعہ اصح المطابع، کراچی صـ۲۹۲، صـ۲۹۳
والملک المؤید ابو الفداء المختصر فی اخبار البشر، مطبوعہ حسینیہ مصر ۱۳۲۵ھ۔ جلد دوم صـ۳ (اندلس
میں اموی حکومت ۱۳۸ھ کے اخیر میں قائم ہوئی اور ۴۲۵ھ میں داخلی انتشار کی وجہ سے اس کا
خاتمہ ہوگیا۔) ۱۹؎ ابو الفداء جلد دوم صـ۱۱، صـ۷ (مغرب اقصی میں ادریسی حکومت ۱۷۰ھ میں
قائم ہوئی اور ۳۰۷ھ میں بنو فاطمہ مہدیہ و بربر قبائل کی مخالفتوں کے باعث اس کا سقوط ہوگیا۔)
۲۰؎ ابو الفداء جلد دوم صـ۱۲ و صـ۹۳ (اغالبہ کی حکومت افریقہ میں ۱۸۴ھ میں شروع ہوئی اور
۲۹۶ھ میں بنو فاطمہ کے حامیوں نے اسکا خاتمہ کردیا۔) ۲۱؎ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا، مطبوعہ
کیمبرج یونیورسٹی پریس ۱۹۱۰ء (طبع یازدہم) جلد بیست و پنجم۔ صـ۳۱۔ ۲۲؎ ابن عذاری المراکشی۔

البیان المغرب فی تاریخ المغرب (ترجمہ اردو پروفیسر محمد جمیل الرحمٰن) مطبوعہ لاہور ۱۹۲۴ء صہ ۱۳۴ صہ ۱۳۵۔ (سنہ ۲۰۹ھ میں منصور نامی شخص نے بغاوت کی اور قریب قریب پورے ملک پر مستولی ہو گیا۔ قیروان بھی اس کے زیر آگیا تھا۔ مگر اس کا عروج شعلۂ مستعجلہ ثابت ہوا اور سنہ ۲۱۱ھ تک زیادۃ اللہ نے تمام علاقے اس سے واگذار کرا لئے۔) [۲۳] ابن الاثیر، جلد ۶ صہ ۲۳۵۔ [۲۴] ایضاً، جلد ۶ صہ ۲۳۵، صہ ۲۳۶ و ایس، پی، اسکاٹ۔ ہسٹری آف دی ایمپائر ان یورپ (ترجمہ اردو موسوم بہ اخبار اندلس۔ مولوی خلیل الرحمٰن) طبع لاہور سنہ ۱۳۴۰ھ جلد ۲ صہ ۱۱، صہ ۱۲ (فیمی کا جرم یہ تھا کہ اس نے صقلیہ کی ایک خانقاہ کی کنواری راہبہ کو اغوا کر کے اسے داشتہ بنالیا تھا۔ اگرچہ بقول اسکاٹ، یہ جرم اس زمانہ میں نادر الوقوع نہ تھا مگر فیمی کی حیثیت اتنی بلند نہ تھی کہ وہ رومی قانون سے مستثنیٰ کیا جاتا ہے۔ اس لئے قیصر روم نے یہ حکم دیا کہ فیمی کی ناک کاٹ لی جائے۔ اس حکم کے خلاف فیمی نے احتجاجاً بغاوت کی اور جب اسے شکست ہوئی تو دربار اغالبہ میں　　　کے لئے حاضر ہوا۔) [۲۵] عہد اموی میں صقلیہ کے جزیرے پر جو حملے ہوئے ان کی نوعیت تعزیری اور جوابی حملوں کی تھی، جزیرے پر مستقل طور پر قابض ہونے کی کوئی کوشش اس عہد میں نہیں کی گئی۔ عہد اموی کے حملے سنہ ۳۳ھ بعہد حضرت عثمان، سنہ ۴۶ھ بعہد حضرت معاویہؓ سنہ ۸۵ھ و سنہ ۸۶ھ میں بعہد خلافت عبدالملک سنہ ۱۰۲ھ بعہد خلافت یزید ثانی، سنہ ۱۰۹ھ میں بزمانہ خلافت ہشام، ہشام ہی کے عہد میں سنہ ۱۱۰ھ میں، سنہ ۱۱۱ھ میں، سنہ ۱۱۲ھ میں، سنہ ۱۱۴ھ میں، سنہ ۱۱۵ھ میں، سنہ ۱۱۶ھ میں، سنہ ۱۲۲ھ میں صقلیہ پر حملے ہوئے۔ سنہ ۱۳۵ھ میں جو حملہ ہوا وہ دورِ احتلال میں ہوا۔ جبکہ افریقہ سے اموی عمل دخل اٹھ گیا تھا۔ اور عباسیوں کا اقتدار ابھی وہاں جم نہ سکا تھا۔ سنہ ۱۲۲ھ کے حملوں میں صقلیہ کا ساحلی شہر سرقوسہ باج گذاری کی شرط پر مسلمانوں کا مطیع ہو گیا تھا۔ سنہ ۱۳۵ھ کا حملہ اسی رقم خراج کی وصول یابی کیلئے کیا گیا تھا۔ اس طور سے مکمل ارادۂ تسخیر سے پہلے جزیرۂ صقلیہ پر مسلمانوں نے چودہ بار حملے کئے۔ مزید تفصیل کے لئے اخبار اندلس جلد دوم باب پانزدہم اور تاریخ صقلیہ جلد اوّل صفحات ۷۶۔ ۱۰۶ ملاحظہ فرمائیں۔ [۲۶] عبدالرحمٰن بن محمد انصاری　　۔ معالم الایمان فی معرفۃ اہل القیروان۔ مطبوعہ مطبع عربیہ تونسیہ، تونس سنہ ۱۳۲۰ھ جلد دوم صہ ۲ تا صہ ۱۳ و برہان الدین ابن فرحون مالکی۔ دیباج المذہب فی معرفۃ اعیان علماء المذہب مطبوعہ مطبع سعادت، مصر، سنہ ۱۳۲۹ھ۔ صہ ۹۸۔ و مولانا عبدالحی فرنگی محلی۔ التعلیق الممجد علی موطا امام محمد، مطبوعہ مطبع مصطفائی لکھنؤ، سنہ ۱۲۹۷ھ صہ ۱۷۔

-:-

حضرت مولانا لطافت الرحمان صاحب
جامعہ اسلامیہ بہاولپور

# فنِ بلاغت کی ایک مقبول صنعت — مبالغہ

حامداً و مُصَلِیًا و مُسَلِمًا۔ط اما بعد ۔

عنوانِ بالا پر مضمون میں بنا بظاہر کوئی خاص افادیت اور جاذبیت معلوم نہیں ہوتی کیونکہ عرفِ عام میں مبالغہ آرائی کے لئے کوئی ضابطہ و معیار اور حدو مقدار متعین نہیں ہے۔ پہاڑ کو رائی کا دانہ قرار دینا اور معمولی سی چیز کو کوہ ہمالیہ اور جبل نہاوند بنا دینا عام و خاص محاورات کا روزمرہ معمول ہے۔ اہل اللہ کیطرف سے بھی بطور مبالغہ پوری مملکت نیم روز کی قیمت نصف جَو قرار دیکر نیم شب بیداری کی عظیم دولت کے مقابلہ میں ٹھکرایا گیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب　　من ملک نیم روز بہ یک جَو نمے خرم

جس کے بالمقابل حافظ شیرازی نے نہایت ارزاں فروخت کرنے کا بھی ایک شاہکار قائم کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

پدرم جنتِ رضوان بدو گندم بفروخت　　ناخلف باشم اگر من بہ جوے نہ فروشم

نیز متاعِ گراں کے متعلق مبالغہ کر کے حافظ کہتے ہیں ؎

قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ　　نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

مگر میں صنعت مبالغہ پر اس مضمون میں اس کی ادبی علمی مختصر تشریح و توضیح کر کے تفصیلات و تمثیلات کے ذریعہ مضمون کو دلچسپ اور مفید بنانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اللہ توفیق عطا فرمائے ——۔

یہ تو ظاہر ہے کہ مبالغہ ایک خلاف واقع بات ہے، جس کو حقیقت اور واقعیت سے دور کا سروکار نہیں ہوتا ہے لیکن چونکہ تو مبالغہ کرنے والا اپنی اس بات کو مبنی برحقیقت

باور کرانے کی کوشش کرتا ہے اور نہ ہی سامع کو اسی طرح کے شک واشتباہ کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے مبالغہ کو کذب کیطرح کلی طور پر قبیح اور مردود قرار نہیں دیا جاتا بلکہ بعض مواقع میں مبالغہ کرنے سے مقصد کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور اس طرح کلام میں اسکی اہمیت اور ضرورت نمایاں ہو جاتی ہے۔ علامہ سعد الدین تفتازانی نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ "خیر الکلام مابولغ فیہ" مبالغہ کی طرح کذب بھی خلاف واقع بیان ہے۔ لیکن اس میں کہنے والا سامع کو باور کرانے اور اپنی جھوٹی بات کو رواج دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اس وجہ سے مبالغہ اور کذب میں کوئی اشتراک اور اشتباہ نہیں بلکہ کلام بلیغ میں مبالغہ کو بہت اہمیت حاصل ہے اور جھوٹ بہر حال جھوٹ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ چند مقررہ حدود وخطوط کے تحت مبالغہ فصیح وبلیغ اور بلند وبرتر کلام کا ایک اہم ترشعبہ قرار پاگیا ہے جو اپنے مواقع استعمال میں نہایت مستحسن اور مقبول ہے۔ تمام اقوام عالم کے خطباء اور دانشور اپنے اپنے طور پر اس کا استعمال کرتے چلے آئے ہیں۔ پھر مبالغہ کبھی سادہ کلام بھی نہیں ہوتا ہے بلکہ مبالغہ کرنے والا قسم کھا کر اپنے مبالغہ کو نہایت پختہ اور مؤکد کر لیتا ہے مثلاً متنبی کا قول ہے ؎

واللہ ما علم امرؤ لولاکم کیف السخاء وکیف ضرب الھام

سیف الدولہ کو خطاب کرکے کہتا ہے کہ خدا کی قسم کہ اگر تم لوگ نہ ہوتے تو لوگ سخاوت کرنے اور دشمنوں کی کھوپڑیاں مارنے کا کام ہی نہ جانتے۔

**قرآن اور مبالغہ** | خیر انسانی کلام میں مبالغے کا استعمال تو کوئی خاص بات نہیں جبکہ قرآن کریم نے بھی اپنے معجز اور بلیغ تر اور بلند انداز میں مبالغوں کا استعمال فرمایا ہے، جن میں سے بعض کا ذکر اس مضمون میں ہونے والا ہے اور جن میں سے یکاد زیتھا یضئ ولو لم تمسسہ نار کا مبالغہ علماء بلاغت کیلئے مبالغہ کی تفصیل وتوضیح اور خود میرے لئے اس مضمون لکھنے کا باعث بنا ہے۔ اب جبکہ مبالغہ بھی کلام میں دیگر محسنات معنویہ کی طرح ایک محسن معنوی اور صنعت مقبولہ مستحسنہ ہے یا بالفاظ دیگر مقبولیت کلام اور معقولیت معنیٰ کا ایک دلکش اور مؤثر طرز وطریق مبالغہ بھی ہے۔ بناء برآں صنعت مبالغہ کی تحقیق وتنویع اور قبول ورد کا ضابطہ ان علماء بلاغت سے معلوم کیا جا سکتا ہے جن کا کام ہی معانی وبیان کے اصول وضوابط کے علاوہ محسنات معنویہ لفظیہ کے فن بدیع کو بھی بیان کرنا ہے۔ ——— چنانچہ

تلخیص المعانی کی عبارت ہے: "ومنها ای من المحسنات المعنویة المبالغة المقبولہ"
آگے چل کر کہتے ہیں کہ مبالغہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی وصف کو شدت یا ضعف میں
اس انداز پہ پہنچنے کا دعویٰ کیا جائے جو حقیقت کے لحاظ سے یا تو ناممکن ہو یا کم ازکم
پھر تین قسموں کیطرف اسکی تقسیم کرکے مقبول اور مردود ہونے کی حیثیت سے ہرایک
کی حسب ذیل تشریح کرتے ہیں۔

۱۔ تبلیغ | یہ مبالغہ کی وہ صورت ہے جس میں عقل وعادت دونوں کے اعتبار سے ممکن
اور واقع ہونے والے کام کا دعویٰ کیا گیا ہو۔ مثلاً امرائ القیس اپنے گھوڑے کی توصیف میں کہتا
ہے۔ کہ اس کو پسینہ نہیں آتا ہے، چاہے اسکو کتنا ہی تیز اور مختلف سمتوں میں مسلسل کیوں نہ
دوڑایا جائے اس کا شعر یہ ہے ؎

فعادیٰ عداءً بین ثور ونعجۃ      دراکاً ولم ینضح بماء فیغسل

یعنی وہ گھوڑا شکار کرنے کی خاطر صحرائی بیل اور گائے کے پیچھے پیہم دوڑتا رہا اور اس کو پسینہ
تک نہیں آیا تاکہ نہلانے کی ضرورت ہو۔

۲۔ اغراق | یہ مبالغہ کی وہ شکل ہے کہ جو دعویٰ کیا گیا ہے وہ عقلاً تو ممکن کام ہے۔
لیکن عادۃً نہیں مثلاً عمرو بن ایہم تغلبی کہتا ہے ؎

ونکرم جارنا مادام فینا      وَ نُتۡبِعُہ الکرامۃ حیث مالا

یعنی ہمارا جار اور پناہ گیر جب تک ہم میں ہوتا ہے تب تک تو ہماری طرف سے اس کا
اکرام اور انعام جاری رہتا ہے مگر جب وہ کہیں چلا بھی جاتا ہے تو بھی ہمارا اکرام اس کا پیچھا
کرتا ہے۔

۳۔ غلو | مبالغہ کی یہ تیسری قسم مردود اور قبیح ہے جس کا نام غلو ہے، گویا اس میں
مبالغہ کی جائز سرحدوں سے تجاوز اور نامناسب حدود میں غلو کا ارتکاب کیا گیا ہے، غلو
کی مثال میں صاحب تلخیص نے ابونواس کا یہ شعر لایا ہے۔ جو ہارون الرشید کی تعریف و
توصیف میں مبالغہ کرکے کہتا ہے ؎

وَاَخَفۡتَ اھل الشرك حتی انہ      لتخافك النطف التی لم تخلق

یعنی آپ نے مشرکین کو اس قدر ڈرایا ہے کہ وہ نطفے بھی آپ سے ڈرتے ہیں جو ابھی پیدا
نہیں ہوئے ہیں۔

اس کے بعد علماء بلاغت نے مبالغہ کی اس قسم (غلو) کے مستحسن اور مقبول ہونے کے بھی چند ضابطے بیان کئے ہیں، فرماتے ہیں کہ اگر اس غلو ہی کی صورت میں ایسا لفظ لایا جائے جو صحت و امکان کیطرف اس امر کو قریب لاتا ہو جس کا دعویٰ کیا گیا ہے تو اس وقت یہ غلو مقبول مبالغہ بن جاتا ہے۔ مثلاً سورۂ نور کی آیت کریمہ اللہ نور السماوات والارض الآیہ کے آخر میں ہے: یکاد زیتھا یضیٔ ولو لم تمسسہ نار ۔ یعنی اس درخت کا تیل اس قدر صاف اور تیزی اور جلدی سے سلگنے والا ہے کہ اگر اس کو آگ نہ بھی چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ خود جل اُٹھے گا۔

اس آیت میں بلند و بالا اور بلیغ و مستحسن مبالغہ کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انوار و تجلیات کا خاکہ عجیب و غریب نہج پر کھینچا ہے۔ اور اس میں نور اور روشنی کے مزے اور خاص فطری پس منظر کا بیان غایت درجہ خوبی سے فرمایا ہے۔ کہ وہ روشنی اس چراغ کی ہو جو نہایت صاف اور شفاف تیل سے روشن ہو رہا ہو۔ پھر جس زیتون کے درخت سے وہ تیل حاصل کیا گیا ہو وہ اس مطلوبہ مقصد میں اس حد تک کامیاب ہو کہ اگر اس کو آگ نہ بھی پہنچے تب بھی وہ سلگنے والا ہی معلوم ہوتا ہے۔

بہرصورت آیت میں حد درجہ مبالغہ عمل میں لایا گیا ہے، لیکن لفظ "یکاد" کے بڑھنے سے اس کو معقول مقبول بلیغ اور دلکش بنا دیا گیا ہے۔ آیت بالا میں مبالغہ کے علاوہ زیادہ تر تیز اور صاف روشنی کیلئے روغن زیتون اور درخت زیتون کی مطلوبہ کیفیات اور حالات بیان فرمانے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی سبق دیا ہے کہ قرآن معلم فطرت ہے۔ اور تعلیمات قرآن انسان کو فطری اور جبلی کامیاب اور اصلاح شدہ راہوں پر لگا کر اس کی اصلاح و تعمیر کرتا ہے۔

۲۔ غلو کی مقبولیت کی دوسری صورت یہ ہے کہ مبالغہ کو کسی حسین تخیل کا حامل بنا دیا جائے مثلاً متنبی کہتا ہے ؎

عقدت سنابکھا علیھا عثیرًا لو تبتغی عنقًا علیہ لامکنا

یعنی بدر بن عمار کے گھوڑوں کے کھروں نے ان کے اوپر گرد و غبار کی اس قدر دبیز تہ بنا دی ہے کہ اگر وہ گھوڑے اس پر چڑھ کر دوڑنا چاہیں تو دوڑ سکتے ہیں۔

یہاں پر متنبی کے جس تخیل نے غلو کو مقبول بنا دیا ہے وہ واضح اور فی نفسہ عمدہ اور لطیف ہے۔ لیکن اس موقع پر نظامی نے سکندر نامہ بری میں اس تخیل کو جس انداز میں

بیان کیا ہے اس میں مبالغہ زیادہ بھی ہے اور مستحکم بھی جس میں وہ میدانِ جنگ میں گھوڑوں کے پیروں سے اٹھے ہوئے غبار کو آٹھواں مستقل آسمان قرار دیتا ہے۔ جب کہ اس صورت میں زمینوں کا شمار سات کی بجائے چھ رہ جاتا ہے۔ نظامی کا شعر یہ ہے ؎

زسم ستوران دراں پہن دشت　　زمین شش شد و آسماں گشت ہشت

یعنی اُس وسیع دشت و بیابان میں گھوڑوں کے کھروں سے اڑنے والے غبار نے آٹھویں آسمان کی صورت اختیار کی اور زمینیں چھ رہ گئیں۔

۳۔ غلو معقول کی تیسری شکل وہ ہے جس میں مذکورہ بالا دونوں باتوں کو جمع کیا گیا ہو۔ مثلاً قاضی ارجانی نے رات کے طویل تر ہونے کا نقشہ کھینچ کر کہا ہے ؎

یخیل لی ان سُمّر الشہب فی الدُجیٰ　　وَشُدَّت باھداب الیھنّ اجفانی

یعنی میرے خیال میں اندھیری رات کے ستاروں میں میخ گاڑدئے گئے ہیں اور اُن کے ساتھ میری پلکوں اور آبرودں کے بالوں کو باندھا گیا ہے جس کی وجہ سے کوئی ستارہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتا ہے اور اس طرح رات کٹتا نہیں پاتی ہے۔

۴۔ غلو کی چوتھی معقول قسم وہ ہے جس کا پس منظر ہی خوش طبعی اور مذاق ہو مثلاً شاعر شراب کے زیادہ تر نشہ آور ہونے اور خود کو نشوں سے حد درجہ وابستگی میں مبالغہ کر کے کہتا ہے ؎

اَسکر بالامس ان عزمت علی　　الشرب غداً ان ذا من العَجَبِ

یعنی تعجب ہے کہ جب میں آئندہ کل کو شراب پینے کا قصد کرتا ہوں تو آج ہی سے نشہ چڑھ جاتا ہے۔ گویا بالفعل شراب پینے سے قبل ہی اس کا تصوّر مجھ میں نشے کا کام کرتا ہے۔

چند تمثیلات | اب میں حسب وعدہ مبالغہ کے چند دلچسپ نمونے ذکر کرتا ہوں جن میں اصل مبالغہ کے علاوہ متعلقہ شاعر کا بلند اور لطیف و ظریف قسم کا تخیل بھی کارفرما ہو۔ مثلاً قاضی ابوبکر باقلانی نے اعجاز القرآن میں بحتری کا شعر نقل کیا ہے۔ جس میں شاعر خطابت و بیان کی عمدگی اور ہذب و کشش کے سلسلہ میں "بناء بہ ظاہر" مبالغہ کر کے کہتا ہے ؎

ولوان مشتاقاً تکلّف فوق ما　　فی وسعہ لمشی الیک المنبرُ

یعنی اگر کوئی شوقمند اپنی وسعت و طاقت سے بڑھ کر کوئی زحمت اٹھا سکتا ہوتا تو شدتِ شوق کی وجہ سے وہ سٹیج اور ممبر تمہاری طرف چل پڑتی جس پر تم خطبہ دینے والے ہو۔

میں نے اوپر "بناء بہ ظاہر" کا لفظ اس وجہ سے بڑھا دیا ہے کہ یہاں وقوع لاوقوع کا سوال نہیں ہے۔ بلکہ شعر ایک قضیہ شرطیہ صادقہ کے قالب میں ہے، جس کا مدار صدق علماء منطق اور مذہب تحقیق کی بناء پر وجود ملازمہ بین المقدم والتالی پر ہے جو یہاں حقیقۃً نہ سہی ادعاءً موجود ہے، جس طرح کہ "ان کان زید حماراً فھو ناھق ۔ بھی قضیہ شرطیہ صادقہ ہے۔ جس میں ملازمہ حقیقۃً درست ہے۔ کیونکہ بناء بہ تقدیر کون زید حمار۔ اس کا ناحق ہونا ضروری ہے ۔

اسی طرح شراب کے زیادہ تر نشہ آور ہونے اور پینے والے کا اس سے غناء و سرود پر مجبور ہو جانے میں شاعر مبالغہ کرکے کہتا ہے ؎

سقونی وقالوا لاتغنّ ولو سقوا　　جبال سراةٍ ما سُقیتُ لغنّتِ

یعنی دوستوں نے مجھے شراب پلا کر کہا کہ تم غناء اور سرود نہ کرو حالانکہ اگر یہ لوگ اونچے پہاڑوں کو وہ شراب پلا دیتے جو مجھے پلا دی گئی ہے تو وہ پہاڑ بھی گانے لگ جاتے۔

اس شعر میں یہ ملازمہ بھی تقریباً اسطرح ہے جسطرح آیت کریمہ : لو انزلنا ھذا القرآن علی جبلٍ لرأیتہ خاشعاً متصدعاً من خشیۃ اللّٰہ ۔ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا ہے۔

یہاں بھی میں نے تقریباً کا لفظ اس وجہ سے کہا کہ شعر کا ملازمہ تو وہی منطقی ہے لیکن آیت کریمہ میں جو شرط و تعلیق ہے اس کا تو حقیقۃً تحقق ہو گیا ہے اور ہو جاتا ہے۔ ابھی ابھی کوئٹہ میں کوئلہ کی کان کی خبر اخبارات میں تازہ تازہ شائع ہو گئی ہے۔

درد و کرب کی شدت کیلئے متنبی نے وہ مبالغہ بھی اچھا کیا ہے جو کہتا ہے ؎

یجد الحمام ولوکوجدی لانبری　　شجر الاراک مع الحمام ینوحُ

یعنی کبوتر غمگین ہو کر روتا ہے۔ لیکن اگر اس کا غم میرے رنج و غم کیطرح سخت ہوتا تو اُس کے ساتھ درخت کیکر کی وہ شاخ بھی رونا لگ جاتی جس پر وہ بیٹھ کر روتا ہے۔

مبالغہ کی ایک بلند مثال وہ بھی ہے جس کو محب اللّٰہ افندی نے شرح شواہد الکشاف میں نقل کیا ہے۔ شاعر کہتا ہے ؎

اذا مضر الحمراء کانت اروْمتی　　وقام بنصری حازم وابن حازم

عطست بانفٍ شامخ وتناولت　　یدای الثریّا قاعداً غیر قائمٍ

یعنی اندریں حالات جب کہ خوبصورت اور سرخ رنگ والے بنو مضر میرا خاندان ہے۔ اور اور اس کا بیٹا میری امداد کیلئے موجود ہیں تو میں نہایت مغرورانہ انداز میں چھینکا کرتا ہوں اور بیٹھے ہوئے میرے ہاتھ کہکشاں ستاروں تک پہنچتے ہیں۔ کہکشاں ستاروں اور سطح زمین کے درمیان کا فاصلہ جو بھی کچھ ہے وہ ظاہر ہے۔ بہرحال مبالغات کا سلسلہ لامحدود ہے حماسی شاعر کہتا ہے ؎

هل الوجد الان قلبي لسودني    من الجمر قيد الرمح لاحترق الجمر

یعنی درد و غم یہی تو ہے کہ میرا غمزدہ اور گرم تر دل اگر آگ کے چنگاروں کو ایک نیزہ برابر قریب ہو جائے تو اس کی سخت ترین حرارت سے چنگارے جلنے لگیں گے۔

اس شعر میں جو چنگاروں کے جلنے کا تصور ہے اس میں کوئی تبعد نہیں ہے بلکہ کسی شدید حرارت کے پہنچنے سے خود آگ کا جلنا ایک بلند محاورہ ہے، علامہ نیساپوری نے اپنی تفسیر غرائب القرآن میں یہ شعر نقل کیا ہے ؎

اصبر على مضض الزمان فان صبرك قاتله

النار تاكل نفسها اذ لم تجد ما تاكله

یعنی زمانہ کے شدائد پر صبر کرنے سے شدائد خود ہی مر جائیں گے کیونکہ آگ کو جب دوسرا ایندھن نہیں ملتا ہے تو وہ خود کو جلا ڈالتی ہے۔

اسی طرح متنبی، ابو ایوب احمد بن عمران کی شہسواری کی مدح سرائی میں نہایت مبالغہ کر کے کہتا ہے ؎

لو مر يركض في سطور كتابه    احصى بحافر مهره ميماتها

یعنی اگر یہ ممدوح گھوڑے کا کم سن بچہ بھی خط کی سطروں پر دوڑانے لگے گا تو اس کے کھروں کے ذریعہ اس خط میں تمام واقع شدہ میموں کو گن لے گا جو کھروں کے ہم شکل ہیں۔

نیز متنبی نے اپنی نقاہت اور زیادہ تر لاغر اور دبلا ہونے میں جو مبالغہ کیا ہے وہ مشہور ہے جو کہتا ہے ؎

ولو قلم القيت في شق رأسه    من السقم ما غيرت من خط كاتب

یعنی اگر مجھے قلم کے شگاف میں رکھا گیا تو میرے نہایت درجہ دبلا پتلا ہونے کی وجہ سے کاتب کے خط میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوگا۔ جبکہ وہاں بال کا اٹک جانا ہی خط پر اثر انداز ہوتا ہے۔

قوم کی ہجو و مذمت میں اس قدر مبالغہ کیا ہے کہ بنار بہ فعل ابن خلدون اس کو اہجیٰ بیت فی العربیۃ ۔ قرار دیا گیا ہے۔ شعر یہ ہے ؎

قومٌ اذا استنبح الاضیاف کلبہم قالوا لامہم بولی علی النار

یعنی یہ لوگ ایسی قوم ہے کہ جب مہمانوں کے آنے پر ان کا کتا بھونکنے لگتا ہے تو یہ لوگ اپنی ماں سے کہتے ہیں کہ چولہے میں جو آگ ہے اس پر پیشاب کر لو۔ غرض یہ ہوتا ہے کہ مہمانوں کو پتہ نہ چلے کہ اس گھر میں آگ جلی ہے اور کچھ پک گیا ہے۔ یا کم از کم مہمان آگ دیکھ کر نہ آئیں۔

یہاں بخل و کنجوسی کی بابت ایک عجیب وغریب مبالغہ وہ بھی ہے۔ جس کو محب اللہ افندی نے شرح شواہد الکشاف میں نقل کیا ہے جب کہ زمخشری نے اس کو آیت کریمہ قل لوانتم تملکون خزائن رحمۃ ربی اذاً لامسکتم خشیۃ الانفاق ۔ کی ذیل میں ذکر کیا ہے وہ مبالغہ دو شعروں میں ہے جس کی بابت افندی کہتا ہے : وان شئت هنوازن بقول الشاعر ؎

ولوان دارك انبتت لك ارضہا ابرًا یضیق بہا فضاء المنزل

واتاك یوسف یستعیرك ابرۃ لیخیط قد قمیصہ لم تفعل

یہ مبالغہ نہایت عمدہ اور فکر انگیز اس وجہ سے ہے کہ یوں تو بخل و کنجوسی کی مثالیں کچھ کم نہیں ہیں۔ جاحظ نے تو کتاب البخلاء لکھ کر بخلاء حضرات کے بلند کارناموں اور ان کے بیشمار دلچسپ حالات اور مکارم وعنایات کو بسط و تفصیل سے ذکر کیا ہے لیکن اس مثال میں جو نصف وغرابت اور لذت و ندرت ہیں، میرے خیال میں اسکی نظیر نہیں تاہم اگر کسی کو اس سے بھی زیادہ تر مقام شح کا علم ہو تو ہوگا۔ وفوق کل ذی علم علیم۔

بہرصورت شاعر اپنے مخاطب سے کہتا ہے کہ تم اس قدر کنجوس ہو کہ اگر تمہارے گھر کی پوری زمین پر اس قدر سوئی اُگ گئیں کہ گھر کی فضار ان کے لئے ناکافی ہوگی اور اس حالت میں یوسف نامی شخص اپنی قمیض کا شگاف سینے کے لئے تمہارے پاس ایک سوئی عاریۃً مانگنے آیا تب بھی تم اس کو سوئی نہیں دو گے۔

لیجئے آخر میں ایک فارسی شعر میں ہجر و فراق کے سلسلہ میں ایک اونچا مبالغہ ملاحظہ فرمائیے ؎

فراق دوستاں دیدن نشانے باشد از دوزخ
معاذ اللہ غلط گفتم کہ دوزخ زاں نشاں باشد

■■

## علوم و معارف

# مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح

۲۲- منع کیلئے بہانہ | فرمایا : کیا کہوں بعض لوگوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ہوائے نفسانی کیلئے بہانہ ڈھونڈا کرتے ہیں۔ جیسے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے شائقان متعہ کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ لوگ متعہ کے لئے بہانہ ڈھونڈتے ہیں، جہاں م، ت، ع انکو ملا انہوں نے متعہ ثابت کیا اور فرمایا کہ اگر متعہ ایسا ہی سستا ہے، تو شیخ سعدی رح کے اس شعر میں بھی یہی مراد ہوگا۔ عہ تمتع زہر گوشہ یافتم (میں نے ہر گوشہ سے فائدہ اٹھایا۔) اور میں کہتا ہوں قرآن مجید میں رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ میں بھی یہی مراد ہوگا۔ کہ انسان اور جن آپس میں متع کیا کرتے تھے۔ (وعظ النور ص۲۴)

مطبع میں ملازمت، تواضع | فرمایا : حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رح کو ایک صاحب مطبع میں ملازم رکھنا چاہتے تھے۔ آپ نے فرمایا علمی لیاقت تو مجھ میں ہے نہیں۔ البتہ قرآن کی تصحیح کر لیا کروں۔ اس میں دس روپے دے دیا کرو۔ اللہ اللہ کیا تواضع اور زہد ہے۔ اسی زمانہ میں ایک ریاست سے تین سو روپیہ ماہوار کی نوکری آگئی۔ مولانا جواب میں لکھتے ہیں آپ کی یاد آوری کا شکر گزار ہوں مگر مجھ کو یہاں دس روپے ملتے ہیں جس میں پانچ روپے تو میرے اہل و عیال کیلئے کافی ہو جاتے ہیں، اور پانچ روپے بچ جاتے ہیں۔ آپ کے یہاں سے جو تین سو روپیہ ملیں گے۔ ان میں سے پانچ روپے تو خرچ میں آئیں گے اور دو سو پچانوے روپے جو بچیں گے میں اُن کا کیا کروں گا۔ مجھ کو ہر وقت یہی فکر رہے گا کہ ان کو کہاں خرچ کروں۔ غرض تشریف نہیں لے گئے۔ اسی کے ساتھ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رح کو بھی لکھا تھا اور سو روپیہ تنخواہ لکھی تھی۔ مولانا نے دوسرا جواب دیا کہ میں آسکتا ہوں۔ مگر

تین سو روپے سے کم میں نہیں آسکتا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے فرمایا مولانا ذرا سنبھل کر جواب لکھے اگر تین سو کی منظوری یہ طلبی آگئی تو وعدہ پر جانا ہوگا۔ تو مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے اس کے ساتھ یہ جملہ بھی بڑھا دیا کہ مگر اس میں ایک شرط ہے وہ یہ کہ جب چاہوں گا یہاں رہوں گا، جب چاہوں گا وہاں رہوں گا۔ وہ رئیس صاحب سمجھ گئے کہ ان حضرات کو آنا ہی منظور نہیں اور واقعی جانا تھوڑا منظور تھا۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے یہ بات ظرافت کے طور پر لکھ دی تھی۔ اللہ اکبر کس قدر استغنا تھا، ان حضرات میں واقعی اہل اللہ کو مال کی کثرت سے بھی بار ہوتا ہے۔ ان کو خیال ہوتا ہے کہ خدا جانے اس کے حقوق ہم سے ادا ہوں یا نہ ہوں۔ (خیر المال للرجال ص۲۳)

۲۴۔ ناموری کی قیمت کوڑی بھی نہیں | فرمایا: مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے ایک شادی کے متعلق جس میں بہت زیادہ خرچ کیا گیا تھا، جس میں نیت محض ناموری کی تھی۔ فرمایا کہ خرچ تو خوب کیا لیکن اتنی چیز سے ایسی چیز خریدی کہ جسکو اگر بیچنے لگیں تو پھوٹی کوڑی کو بھی کوئی نہ لے۔ وہ کیا چیز ہے۔ نام۔ (جلاء القلوب معروف بہ جام جمشید ص۴۴)

اکثر تو نام بھی حاصل نہیں ہوتا۔ لوگ کہتے ہیں اتنے بڑے رئیس نے اگر ایسا کیا تو کیا کمال کیا ؎

خواجہ پندارد کہ دارد حاصل حاصل خواجہ بجز پندار نیست

اگر شریعت پر عمل کریں تو آخرت بھی سدھرتی ہے اور دنیا بھی برباد نہیں ہوتی —

۲۵۔ بھنگیوں کی خدمت | فرمایا: ایک واقعہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا دریافت ہوا کہ ایک درویش مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں امتحان درویشی لینے بڑے تزک احتشام سے آئے۔ بہت سے گھوڑے اور خادم اور بھنگی اور گھسیارے وغیرہ بھی ساتھ تھے۔ مولاناؒ نے سب کی دعوت کی اور شاہ صاحب اور ان کے مخصوصین کی خدمت کیلئے مولانا نے اپنے خادم مقرر کئے اور خود شاہ صاحب کے نوکروں کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ شاہ صاحب کے نوکروں اور بھنگیوں کو اپنے ہاتھ سے اسی شان کے برتنوں میں کھانا کھلایا جیسے برتنوں میں خود کھاتے تھے۔ درویش مولاناؒ کا یہ انکسار اور خلق دیکھ کر مولاناؒ کے کمال کے قائل ہو گئے۔ (شوق اللقاء ص۳۱)

۲۶۔ صاحبِ حال ہونا | فرمایا: مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا جواب اس اعتراض کے متعلق

یہ ہے کہ اگر اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے تو یہ بتلاؤ کہ وہ شمشیر زن کہاں سے آئے تھے، کیونکہ تلوار خود تو نہیں چل سکتی، تو جن لوگوں نے سب سے پہلے تلوار چلائی ہے یقیناً وہ تو تلوار سے مسلمان نہیں ہوئے تھے، کیونکہ ان سے پہلے تلوار کا چلانے والا کوئی تھا ہی نہیں، تو ثابت ہوا کہ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ جہاد مدینہ میں آکر شروع ہوا اور اہلِ مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے آخر ان کو کس تلوار نے مسلمان کیا تھا۔ اور مکہ میں جو کئی سو آدمی مسلمان ہوئے اور کفار کے ہاتھوں اذیتیں برداشت کرتے تھے، آخر ان کو کس تلوار نے مسلمان کیا تھا۔

(محاسن الاسلام ص۹۰) (ادج قنوج ص۴۲) (الصلاح والاصلاح ص۳۳)

کسی نے سچ کہا ہے ؎

کتنا عالمگیر تھا تبلیغ الفت کا فروغ گوشہ گوشہ میں جہاں کے روشنی ہوتی گئی

دراصل اسلام پھیلا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخلاق سے چنانچہ سیر و تواریخ اس پر شاہد ہیں۔ کما قال سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ۔

فرمایا کہ سنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ میرٹھ میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے عشاء کے وقت (مسئلہ[1]) پوچھا۔ آپ نے اس کا جواب دے دیا۔ مستفتی کے جانے کے بعد ایک شاگرد نے عرض کیا کہ مجھے یہ مسئلہ یوں یاد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم ٹھیک کہتے ہو اور مستفتی کو تلاش کرنا شروع کیا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اس وقت رات زیادہ ہو گئی ہے۔ آپ آرام فرمائیے۔ ہم صبح ہونے پر اسکو بتلا دیں گے لیکن آپ نے قبول نہیں فرمایا اور اس کے مکان پر تشریف لے گئے۔ گھر میں سے اسکو بلایا اور فرمایا کہ ہم نے اس وقت مسئلہ بتلایا تھا، تمہارے جانے

---

[1] ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے مستفتی کو اسکی عجلت اور جلد بازی کی بناء پر فتویٰ لکھ دیا جو ہجوم مشاغل کے باعث جلدی میں غلط لکھا گیا۔ بعد میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کو خیال آیا تو حضرت نے دعا کی اے اللہ میرے ہاتھ سے تو نکل گیا اب تو میری مدد فرما۔ تھوڑی دیر میں وہ شخص آیا کہ حضرت مہر تو لگائی نہیں۔ حضرت نے خدا کا شکر ادا کیا اور مسئلہ درست فرما دیا۔ اور اس سے کہا مہر تو میرے پاس نہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی ہے۔ اس کے بعد حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے دستی فتویٰ کا جواب چھوڑ دیا۔ بلکہ ڈاک سے جواب دیتے تھے۔

کے بعد ایک شخص نے صحیح مسئلہ ہم کو تبلایا اور وہ اس طرح ہے جب یہ فرما چکے تب چین آیا اور واپس آکر آرام فرمایا تو اس بے چینی کا سبب کیا نرا علم تھا، ہرگز نہیں۔ یہ صرف حال کا اثر تھا جو صحبت سے عطا ہوا تھا۔ اسی کو کہتے ہیں ؎

قال را بگذار مرد حال شو　　　　پیش مردے کاملے پامال شو

(مجالس حکیم الامت)

۲۷۔ الہیٰ کتابیں | فرمایا : کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرماتے تھے کہ تین کتابیں الہیٰ ہیں۔ ایک کلام اللہ، ایک بخاری شریف، ایک مثنوی شریف کہ ان کا کسی سے احاطہ نہیں ہو سکا۔ بخاری شریف کے تراجم کی دلالت کہیں خفی کہیں جلی، سچ یہ ہے کہ اس کا کسی سے احاطہ نہ ہوا، ایسے ہی قرآن شریف اور مثنوی شریف کا بھی۔ (ارواح ثلاثہ صـ۳۱۷)

۲۸۔ تکبر کی اصلاح | فرمایا : کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ ہر دینی کام میں سب کے روحِ رواں تھے۔ اور نام رکھنے میں ہمیشہ پیچھے رہتے تھے۔ اور جس طالب علم کے اندر تکبر دیکھتے تھے اس سے کبھی کبھی جوتے اٹھوایا کرتے تھے اور جس کے اندر تواضع دیکھتے تھے اس کے جوتے خود اٹھا لیا کرتے تھے۔ (ملفوظات کمالات اشرفیہ صـ۵۶)

—— گویا یہ حالت تھی ؎

خاکساروں سے خاکساری تھی　　　　سر بلندوں سے انکسار نہ تھا

۲۹۔ مجتہد ہونا | فرمایا : کہ ایک بار مولانا محمد قاسم صاحبؒ مولانا گنگوہیؒ سے فرمانے لگے کہ ایک بات پر بڑا رشک آتا ہے کہ آپ کی نظر فقہ پر بہت اچھی ہے ہماری نظر ایسی نہیں۔ بولے جی ہاں۔ ہمیں کچھ جزئیات یاد ہو گئیں تو آپ کو رشک ہونے لگا، اور آپ مجتہد بنے بیٹھے ہیں۔ ہم نے کبھی آپ پر رشک نہیں کیا۔ ایسی ایسی باتیں ہوا کرتی تھیں۔ وہ انہیں اپنے سے بڑا سمجھتے تھے اور وہ انہیں (کمالات اشرفیہ صـ۲۲۶)

۳۰۔ حق رکھنا | فرمایا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کافر کا مال جس طرح ہو لوٹ لو۔ حالانکہ شریعت نے غدر و سرقہ کو کافر کے ساتھ بھی حرام کیا ہے بلکہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرماتے تھے کہ کافر کا حق رکھنے سے تو مسلمان کا حق رکھ لینا اچھا ہے کہ نیکی اگر جاوے تو اپنے بھائی مسلمان ہی کے پاس جاوے، دشمن کے پاس کیوں جاوے۔ (کمالات اشرفیہ صـ۲۶۲)

—★—

محمد حفیظ اللہ پھلواروی - کراچی

# خلفائے بنو عباس
# کی
# رواداری

خلفائے عباسیہ کے عہد میں غیر مسلم رعایا کے ساتھ نہایت فیاضانہ سلوک رہا۔ اور فلپ کے ہٹی کے الفاظ میں ان کی حکومت میں عیسائیوں اور یہودیوں کو متعدد شعبوں میں ایسے اہم منصب ملے ہوئے تھے کہ بسا اوقات مسلمانوں کو ان پر رشک آتا تھا۔ بغداد میں مسیحیوں کی ایک درجن سے زیادہ خانقاہیں تھیں۔ (ہسٹری آف دی عربس)

ابوجعفر منصور (۱۳۶ — ۱۵۸ھ/ ۷۵۳ — ۷۷۴ء) کے عہد میں ایک مستقل محکمہ غیر مسلم قوموں کے حقوق کی حفاظت کے لئے قائم ہوا۔ ۱۴۸ھ میں منصور نے اپنے علاج کے لئے جارج بن جبریل کو طلب کیا۔ اور پھر اس کا تمام خاندان دربار میں داخل ہو گیا۔ منصور نے اسکی یہ قدردانی کی کہ باوجود اس کے کہ اس نے اپنے مذہب کو نہیں بدلا تھا۔ دربار کا طبیب مقرر کیا، اور جب مرض الموت میں اس نے وطن کو واپس جانا چاہا تو منصور نے سفر خرچ کے لئے پچاس ہزار روپے عنایت کئے۔

مذاہب کی تحقیقات کے لئے منصور نے اجازت دی کہ تمام مختلف فرقوں کی مذہبی کتابیں ترجمہ کی جائیں۔ مانی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اس کی کتابیں اور دوسرے مجوسیوں اور بانیان مذہب کی کتابوں کے ترجمے ہوئے۔ (مقالات شبلی جلد ششم)

خلیفہ منصور کے زمانہ میں حدیث، فقہ، تفسیر پہ اوّل اوّل کتابیں لکھی گئیں — مسلمانوں کی علمی فیاضیوں کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ عین اس وقت جب کہ ان کو اپنے مذہبی علوم کی حفاظت و ترتیب کا اہم کام پیش تھا۔ اس وقت وہ غیر قوموں کی علمی یادگاروں کے بہم پہنچانے میں مصروف تھے۔ خلیفۂ منصور نے ایک طرف

تو امام مالک کو بلا کر حدیثوں کے جمع کرنے اور ایک کتاب مستقل لکھنے کی ہدایت کی دوسری طرف ایرانیوں کی سب سے قدیم اور مفصل تاریخ کا جس کا نام سکیکین تھا۔ اور جو فارسیوں کے نزدیک ایسی ہی عزت رکھتی تھی جیسی کہ ہندوؤں کے نزدیک مہابھارت، ترجمہ کرایا۔ (شبلی)

ایک مرتبہ لبنان کے کچھ ذمیوں نے عباسی خلیفہ سے بغاوت کی. یہاں کے حاکم یا فوجی افسر صالح بن علی عباس نے بغاوت کے فرو کرنے میں ناکردہ گناہ لوگوں پر بھی زیادتیاں کیں۔ اس پر امام اوزاعی (متوفی ۱۵۰ھ) نے اس کو لکھ بھیجا کہ :

"لبنان کے جن ذمیوں کو جلاوطن کیا گیا ہے۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں، جو باغیوں کے ساتھ نہیں تھے۔ اصل باغیوں میں سے کچھ لوگوں کو تم نے قتل کیا اور کچھ کو ان کے دیہاتوں میں پھر آباد کر دیا ہے۔ ایسی حالت میں مجرموں کے جرم کے بدلہ میں عام ناکردہ گناہ نہیں پکڑے جا سکتے اور ان کو ان کے وطن اور مال ومتاع سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ خدا کا حکم ہے کہ ایک کا بار دوسرے پر نہیں ڈالا جا سکتا۔ اور خدا کے احکام کی پابندی پر ہم پر فرض اور لحاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کا رکھنا ہمارے لئے ضروری ہے۔"

آپ نے فرمایا کہ :

"جو شخص کسی معاہد (ذمی) پر ظلم کرے گا یا اسکی طاقت سے زیادہ اس پر بار ڈالے گا تو قیامت کے دن میں اس کا حامی اور وکیل ہوں گا۔"

(اسلام اور عربی تمدن)

مہدی ۱۵۸ـ ۱۶۹ھ / ۷۷۵ـ ۷۸۵ء کے عہدِ حکومت میں ایک گرجا عیسائی قیدیوں کے لئے بغداد میں تعمیر ہوا. یہ قیدی اس وقت قید ہوئے تھے جبکہ اہلِ اسلام کی لڑائیاں روم کی عیسائی سلطنت سے ہو رہی تھیں۔ (یاقوت ج ۲۔ بحوالہ دعوتِ اسلام سر ٹامس آرنلڈ)

ہارون الرشید ۱۷۰ـ ۱۹۳ھ / ۷۸۶ـ ۸۰۹ء کے عہد میں بغداد میں دوسرا کلیسا تعمیر ہوا۔ اس کو سمالو کے باشندوں نے بنایا جنہوں نے خلیفہ کی اطاعت کی اور خلیفہ نے ان کی سرپرستی منظور کی۔ (یاقوت ج ۲۔ بحوالہ دعوتِ اسلام)

ہارون کے زمانہ میں ایک بڑا عالی شان گرجا بابل میں تعمیر ہوا جس میں دانیال رسول اور حزقیل رسول کے تابوت رکھے گئے۔

خلیفہ ہادی ۔ ۱۶۹ ۔ ۱۷۰ھ / ۷۸۵ ۔ ۷۸۶ء ۔ کے عہد میں مصر کے گورنر علی ابن سلیمان نے صومعہ مریم اور چند دوسرے گرجوں کو توڑ دیا تھا۔ خلیفہ ہارون نے گورنر مذکور کو اس فعل کی سزا میں معزول کر کے موسیٰ بن عیسیٰ کو مصر کا گورنر بنایا۔ موسیٰ نے علمار وقت سے ان گرجوں کے متعلق فتویٰ دریافت کیا تو مصر کے سب سے بڑے محدث لیث بن سعد نے تمام منہدم شدہ گرجوں کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کا فتویٰ دیا۔

ایک مرتبہ قیصر روم کی بدعہدی سے سخت طیش میں آکر ہارون الرشید نے دارالسلطنت ہریکلی (ہرقلہ) پر حملہ کیا۔ اور ہرقلہ اُجاڑ ڈالنے کے بعد وہاں سے بہت سے آدمیوں کو پکڑ لایا۔ بعد میں قیصر نے لکھا کہ "جن لوگوں کو آپ قید کر کے لے گئے ہیں۔ ان میں میرے لڑکے کی منگیتر بھی ہے۔ اسکی شادی کی تیاری ہو رہی تھی۔ اگر اس لڑکی کو آپ واپس کر دیں تو اس کے بدلے میں جس قدر روپیہ آپ چاہیں میں بلا عذر بھیج دوں گا۔" قیصر سے انتہائی نفرت کے باوجود ہارون الرشید نے اس لڑکی کو بلایا اور اُسے نہایت عمدگی کے ساتھ سجا کر دلہن بنا کر کچھ تحائف اس کے ساتھ کئے اور قیصر کے پاس واپس بھجوا دیا۔ قیصر کے خط کے جواب میں لکھا کہ "تمہاری بہو کو بھیج رہا ہوں اور اپنی طرف سے شادی کے تحفے کے طور پر کچھ چیزیں بھی اس کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔ انہیں میری طرف سے قبول کریں، اور لڑکی کے معاوضے کا خیال دل میں نہ لائیں۔" (الہارون ۔ عمر ابوالنصر)

قیصر روم کی بار بار عہد شکنی، سرکشی اور سرحد پر قتل و غارت سے ہارون تنگ آگیا تو ایک روز نہایت غصے سے اس نے قاضی القضات حضرت امام ابویوسف سے پوچھا کہ "عہد اسلامی میں عیسائیوں کے گرجے کیوں محفوظ رہے اور کس نے ان کو اس بات کی اجازت دی کہ شہروں میں علانیہ جلوس نکالیں۔" حضرت امام یوسف نے بڑی جرأت سے جواب دیا:

"حضرت عمرؓ کے عہد میں جب رومی ممالک فتح ہوئے تو عیسائیوں کو یہ لکھ کر دے دیا گیا تھا کہ تمہارے گرجے محفوظ رہیں گے ۔ اور تمہیں اپنے مذہبی اعمال بجا لانے اور صلیب نکالنے میں پوری آزادی ہوگی۔ پس اب کس کی مجال ہو سکتی ہے کہ اس حکم کو منسوخ کر دے۔"

یہ سن کر ہارون الرشید خاموش ہوگیا۔ اور پھر ساری عمر کبھی عیسائیوں کے مذہبی امور

میں کبھی کوئی مداخلت نہیں کی۔ (الہارون - عمر ابو النصر)

—— ایک بار حضرت امام یوسف نے خلیفہ ہارون کو لکھا تھا:

"آپ کا فرض ہے کہ ذمیوں سے رواداری برتیں، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔ ان کی ضرورتوں سے بے خبر نہ رہیں۔ ان پر جبر و جور اور زیادتی نہ ہونے پائے۔ جزیہ کے علاوہ اور ان کا مال نہ لیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اُن آخری الفاظ سے آپ ناواقف نہ ہوں گے۔

ذمیوں سے بھلائی کرنا۔

ان سے رواداری برتنا۔

انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دینا۔

مسٹر پامر نے اپنی کتاب "ہارون الرشید" میں لکھا ہے کہ دورانِ سفر میں ایک پادری کی مہمان نوازی سے خوش ہو کر ہارون نے ایک ہزار دینار (پانچ سو پونڈ) اسے مرحمت کئے اور حکم صادر کیا کہ گرجا سے متعلق جس قدر مزروعہ زمینیں اور باغات ہیں، سات سال تک ان کا مالیہ وصول نہ کیا جائے۔

خلیفہ ہارون الرشید کا طبیبِ خاص جس کا نام جبریل تھا نسطوری عیسائی تھا۔ اور علاوہ ذاتی جائداد کے جسکی آمدنی آٹھ لاکھ درہم سالانہ تھی، دو لاکھ اسی ہزار درہم سالانہ خلیفہ کی ملازمت کے صلہ میں ملتے تھے۔ دوسرا عیسائی طبیب بھی بائیس ہزار درہم سالانہ تنخواہ پاتا تھا۔ (فان کریمر بحوالہ دعوتِ اسلام)

ایک مرتبہ حج کے موقعہ پر ہارون الرشید نے میدانِ عرفات میں کھڑے ہو کر جبریل کی صحت و عافیت کے لئے نہایت خشوع خضوع کے ساتھ دیر تک دعا کی۔ جب ایک مصاحب نے کہا کہ آپ ایک کافر کے لئے دعا کر رہے ہیں تو اس نے اسے جھڑک دیا۔ (الہارون - عمر ابو النصر)

یوحنا بن ماسویہ مشہور مترجم تھا۔ ہارون الرشید نے اس کو خزانۃ الحکمۃ کا افسر مقرر کیا تھا۔

سنسکرت کی علمی تصنیفات گو یہ منصور کے عہد میں بغداد پہنچ چکی تھیں، لیکن اس

زمانہ میں اور نئے سامان پیدا ہو گئے۔ ہارون الرشید ایک دفعہ سخت بیمار پڑا۔ اور گو بغداد طبیبوں سے معمور تھا۔ تاہم اس کو کسی کے علاج سے شفاء نہ ہوئی۔ اس وقت ہندوستانی ایک طبیب جو فلاسفر بھی تھا۔ شہرت عام رکھتا تھا نے اس کے بلانے کی رائے دی۔ غرض وہ طبیب بلایا گیا۔ وہ بغداد میں برامکہ کے ہسپتال میں مہتمم اور افسر مقرر کیا گیا۔ سنسکرت کی علمی کتابیں اکثر اس سے ترجمہ کرائیں۔ (مقالات شبلی)

مشہور انگریز مسلمان محمد مارماڈیوک پکھتال تحریر فرماتے ہیں:

"خلیفہ ہارون الرشید ایک مرتبہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کیوں دوسرے تحائف کیساتھ بیت المقدس کے مشہور گرجے کی کنجیاں فرنکش بادشاہ شارلیمن کو بھیج دیں۔ تاریخی اعتبار سے یہ شامی عیسائیوں کے ساتھ جو مغربی چرچ سے موافق نہ تھے اور اسلامی حکومت کے سوائے کسی قسم کی حفاظت کے طالب نہ تھے، ایک شدید ناانصافی بلکہ زیادتی تھی۔ سیاسی طور پر بھی یہ غلطی اسلامی حکومت کے لئے ایک عذاب بن کر رہ گئی۔ یہ سچ ہے کہ چابیوں کی دو جوڑیاں تھیں۔ گرجا روزانہ کھلتا تھا۔ اور وہ اس وقت تک برابر کھلا رہا جب شارلیمن شہنشاہ مغرب نے اسے کھولنے کی خاطر مقفل نہ کرایا۔ چابیوں کا تحفہ تو ایک لطیف اشارہ تھا کہ آپ اور آپ کے ساتھی اس گرجا میں جو آپ کے مذہب کا مرکز اور مقام حج ہے، جب چاہیں بلا روک ٹوک آ سکتے ہیں۔ لیکن فرنکش عیسائیوں نے بعد میں اس تحفے کو کچھ اور معنے پہنا دئے۔ اور انہوں نے اپنے آپ کو گرجا کا مالک اور شامی عیسائیوں کو محض راہب وغاصب کے درجے تک گرا دیا۔ (تہذیب اسلامی)

مامون الرشید (۱۹۸ــ ۲۱۸ھ / ۸۱۳ــ ۸۳۳ء) کے عہد میں مسٹر سید علی امیر کے بیان کے مطابق علاوہ آتش کدوں اور دوسری عبادت گاہوں کے گیارہ ہزار گرجے تھے۔ یروشلم اور انطاکیہ کے اسقف عیسائی مذہب کے پیشوا تھے، اور ان کے مذہبی درجے مقرر تھے، ان لوگوں کو اسلامی بادشاہوں کے زیر سایہ وہی مراعات حاصل تھیں، جو ان کے ہم مذہب بادشاہوں کے وقت میسر تھیں۔ (تاریخ اسلام)

جب مامون الرشید مصر میں تھا تو اپنے دو معززین دربار کو اجازت دی کہ مقطم کی پہاڑی پر جو قاہرہ کے قریب تھی گرجا بنالیں۔ اور اسی خلیفہ کی اجازت سے ایک دولتمند عیسائی نے جس کا نام بکام تھا، کئی خوبصورت گرجے بورہ میں تعمیر کرائے (اوکپیشن صفحہ ۴۴)

نسطوری بطریق تموھییس نے جو ۸۲۳ء میں مرا، ایک گرجا تکریت میں اور ایک خانقاہ بغداد میں تعمیر کی ( خان کرییر )

ہارون الرشید نے اپنے اخیر زمانہ میں فقہاء کے کہنے پر مناظرہ کی مجلسوں کا جو طریقہ تمام ملک میں جاری تھا، بند کرا دیا تھا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ فلسفہ وغیرہ کیطرف سے لوگوں کا میلان کم ہو چلا۔ مامون کے زمانہ سے پہلے یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ دنیا میں اسلام بزور شمشیر پھیلا کیونکہ اگر اسلام خود اپنی خوبیوں کی وجہ سے پھیل سکتا تو لوگوں کو مناظرہ اور مباحثہ سے کیوں روکا جاتا۔؟ مامون نے یہ شہرہ سن کر بغداد میں ایک بہت بڑا مجمع کیا، اور تمام ملک میں جس قدر پیشوایان مذہب اور مختلف فرقوں کے لوگ تھے، سب طلب کئے گئے۔ فرقۂ مانویہ کا سردار جس کا نام یزدان بخت تھا، رَیّ سے بلایا گیا، اور مامون نے اس کو خاص ایوان شاہی کے قریب اتارا۔ اس جلسہ میں علمائے کلام نے تمام مخالفین اسلام پر فتح حاصل کی۔ اور لوگوں پر علانیہ ثابت ہو گیا۔ کہ اسلام کی اشاعت تلوار سے نہیں بلکہ زبان و قلم سے ہوئی۔

اس کے بعد مامون نے نہایت فراخ حوصلگی سے حکم دیا کہ تمام ملک میں مناظرہ اور بحث کے عام جلسے کئے جائیں اور ہر فرقہ اور ہر مذہب کے لوگوں کو عام اجازت دی جائے کہ اپنے مذہب کا اثبات اور دوسرے مذاہب پر نکتہ چینی کریں۔ (مقالات شبلی ج ۶)

مامون الرشید خود اسلام کی اشاعت میں بہت سرگرم تھا، اور قلمرو خلافت کے دور دراز صوبہ جات ماوراء النہر اور فرغانہ میں ان لوگوں کو جو مسلمان نہ تھے، مراسم خسروانہ سے اسلام پر مدعو کیا۔ (البلاذری)

لیکن اپنی شاہانہ سطوت کا ناجائز استعمال اسطرح نہیں کیا کہ لوگوں کو زبردستی مسلمان کرتا۔ جب یزدان بخت مناظرہ میں بالکل خاموش کر دیا گیا تو مامون نے کوشش کی کہ یزدان بخت مسلمان ہو جائے، مگر اس نے یہ کہہ کر انکار کیا کہ "امیر المؤمنین! تمہاری نصیحت گوش گذار ہوئی اور تمہاری بات سنی، لیکن تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو لوگوں کو اپنا دین چھوڑنے پر مجبور کرتے ہیں۔

خلیفہ مامون نے بجائے اس کے کہ اپنی ناکامی پر غصہ کرتا یزدان بخت کی حفاظت کے لئے سپاہ ساتھ کر دی تاکہ رعایا میں جو لوگ متعصب ہوتے ان کی گزند سے فرقہ مانوی

کا سر دار محفوظ رہے۔

سر تھامس آرنلڈ کا بیان ہے کہ مامون الرشید کے عہدِ خلافت میں ایک دستاویز جو بیّن طور تبلیغی حیثیت رکھتی ہے، دریافت ہوا ہے۔ یہ دستاویز خط کی شکل میں ہے۔
اس خط کو مامون کے ایک عزیز (الہاشمی) نے اپنے ایک عیسائی دوست کے نام لکھا تھا، جو دربارِ مامونی میں بڑا اعزاز رکھتا تھا، اور خود خلیفہ اس کی بڑی توقیر کرتا تھا۔
اس خط میں الہاشمی نے نہایت محبت آمیز انداز میں اپنے دوست کو اسلام کی دعوت دی تھی۔ اسی نامہ میں ایک تقریر نقل ہے جو خلیفہ مامون الرشید نے اہل دربار کے سامنے کی تھی جس میں ان لوگوں کا سخت تحقیر سے ذکر کیا، جنہوں نے دنیا کے نفع اور خود غرضی سے اسلام قبول کیا۔ اور ان کی مثال اُن منافقین سے قائم کی جنہوں نے یہ ظاہر کر کے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست ہیں آپ کی ہلاکت کے لئے سازش کی، لیکن جسطرح خدا کے رسول نے برائی کا بدلہ نیکی سے کیا، اسی طرح خلیفہ نے بھی ارادہ کر لیا کہ ان لوگوں کے ساتھ خلق و تحمل سے پیش آئے گا۔ جب تک کہ خدا ان میں انصاف کرے۔

خلیفۂ وقت کی زبان سے ایسی شکایت کا بیان ہونا قابلِ وقعت ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نو مسلموں کی نسبت یہ خیال تھا۔ اور جستجو تھی کہ بے لوث اور خالص ایمان سے اسلام قبول کریں۔ اگر یہ دریافت ہو جاتا تھا کہ حب دنیا یا نازیب اغراض سے وہ مسلمان ہوتے ہیں تو اُن پر سخت ملامت ہوتی تھی ——

(پریچنگ آف اسلام۔ سر تھامس آرنلڈ)

خلیفہ مامون الرشید کے اس خط کے الفاظ شاہد ہیں کہ مسلمان عیسائی مذہب کے بارے میں کس قدر فراخ دل تھے۔
سر تھامس آرنلڈ کا بیان ہے:
"تیسری صدی ہجری کے اوائل حصہ میں بیت جارمی کے نسطوری بشپ، تھیوڈور نے اسلام قبول کیا۔ اور اس کے لئے کسی طرح کا جبر و تشدد اس پر نہ ہوا تھا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو عیسائی مورخ جس نے بشپ کے مسلمان ہونے کا حال لکھا ہے کا ذکر بھی ضرور کرتا۔ اس واقعہ کے سو برس بعد ۱۰۱۶ء میں الکنائیس کا یعقوبی

المذہب مطران جو اس عہدہ پہ پچیس برس تک مامور رہا۔ بغداد کو روانہ ہوا۔ اور خلیفہ قادر باللہ (۹۹۱ - ۱۰۳۱ء) کے سامنے اسلام قبول کیا اور ابو مسلم اپنا نام رکھا۔"
(پریچنگ آف اسلام)

ایک بار مامون الرشید دمشق کے دورہ پہ گیا تو وہاں کے غیر اقوام سے خلفائے سلف نے جو معاہدے کئے تھے، ان کی جانچ پڑتال کی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معاہدہ اس کے سامنے لایا گیا تو اس نے اس کو آنکھوں سے چند بار لگایا، اور معاہدہ برقرار رکھا۔ (ابن اثیر)

معتصم باللہ (۲۱۸ - ۲۲۷ھ / ۸۳۳ - ۸۴۱ء) کی خدمت میں دو عیسائی بھائی رہتے تھے جو خلیفہ کے سب سے زیادہ معتمد تھے، ان میں سے ایک کا نام سلمویہ تھا۔ اس کو تقریباً وہی منصب حاصل تھا جو آج کل سیکرٹری آف اسٹیٹ کا ہوتا ہے۔ کوئی شاہی مکتوب اس وقت تک مستند تصوّر نہ ہوتا تھا، جب تک کہ سلمویہ کے بھی اس پہ دستخط نہ ہوتے۔ دوسرے بھائی ابراہیم کے سپرد مہر خلافت تھی، اور صیغۂ بیت المال بھی اس کی نگرانی میں تھا۔ یہ عہدہ بیت المال کے روپیہ اور حرف کے لحاظ سے ایسا تھا۔ جس کی نسبت توقع ہو سکتی تھی کہ اس پہ ہمیشہ مسلمان مقرر ہوتا۔ لیکن ایسا نہ تھا۔ معتصم کو ابراہیم کے ساتھ ایسا انس تھا کہ جب ابراہیم بیمار پڑا تو خلیفہ اس کی عیادت کو گیا اور اس کی موت پر سخت رنج کیا۔ ابراہیم کی تدفین کے دن خلیفہ نے حکم دیا کہ جنازہ قصر شاہی میں لایا جائے۔ اور تمام مسیحی رسومات میت نہایت ادب سے وہاں ادا کی گئیں۔

خلیفہ معتصم باللہ کے عہد حکومت میں ایک مسلمان جنرل کو اس لئے معتوب کیا گیا کہ اس نے پارسیوں کا ایک آتش کدہ گروا کر اس کی جگہ مسجد تعمیر کرا دی تھی ——
(ابن ابی اصیبعہ، طبقات الاطباء بحوالہ دعوت اسلام)

—★—

آخری قسط
(۶)

مولانا عبدالرشید بھلن شریف
خلیفۂ مجاز حضرت صاحب ملفوظات

# حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مدنیؒ ــــــ کے ــــــ ملفوظات

اعمالِ صالحہ | فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات فرمائی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ایک انصاری سے مواخات فرمائی۔ اس انصاری نے کہا کہ میری دو عورتیں ہیں۔ ایک کو میں طلاق دینے کو تیار ہوں تم اسے اپنے نکاح میں لے آؤ۔ میرے پاس جو مال ہے وہ بھی تم آدھا لے لو۔

حضرت عبدالرحمٰن نے کہا کہ بارک اللہ فیک۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ان میں برکت دے مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ میں تو صرف تجارت کروں گا۔ دیکھیئے یہ اصحابی کتنا متوکل تھا۔

حضرت سلمان فارسیؓ کی مواخات حضرت ابوالدرداءؓ سے کرائی گئی۔ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصالِ مبارک کے بعد وہ عراق کو چلے گئے۔ اور حضرت ابوالدرداءؓ بیت المقدس کو تشریف لے گئے۔ حضرت ابوالدرداءؓ نے حضرت سلمانؓ کو عراق میں خط لکھا۔ "الحمد للہ الذی انزلنی فی الارض المقدسۃ واعطنی مالاً و اولاداً"۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے مدینہ منورہ سے نکالا اور پھر مجھے مقدس زمین میں اتارا۔ اور مجھے مال و اولاد عطا فرمایا۔ حضرت سلمانؓ نے جواب میں لکھا: فاعلم یا ابالدرداء ان الارض المقدسۃ لا تقدس الانسان۔ ولکن تقدس الانسان بالاعمال الصالحۃ والاخلاق الفاضلۃ۔ یعنی تم نے کہا کہ ارضِ مقدس میں رہتا ہوں۔ یاد رکھو! ارضِ مقدس انسان کو پاک نہیں کرتی۔ بلکہ انسان اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ سے پاک ہوتا ہے۔ اور تو نے لکھا ہے کہ اللہ نے مجھے مال اور اولاد عطا کی ہے ــــ فیالیتک اعطاک اللہ بدل المال علماً نافعاً وبدل الاولاد عملاً صالحاً۔ کاش! اللہ تعالیٰ تجھے مال کے بدلے نفع دینے

والا علم عطا فرماتا۔ اور اولاد کے بدلے عمل صالحہ کی توفیق دیتا ۔۔۔۔ لہٰذا انسان کے لئے حقیقتاً دو چیزیں فائدہ مند ہیں۔ اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ۔

شریعت کی اہمیت | شریعت کیا چیز ہے ۔؟ شریعت مجموعہ ہے ۔حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال افعال اور احوال کا۔

طریقت کیا چیز ہے ۔؟ طریقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور احوال پر عمل کرنے کا نام ہے۔

حقیقت کیا چیز ہے ۔؟ حقیقت "الاخلاص بالعمل" عمل میں اخلاص ہو۔ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا مطلوب ہو۔ ریا اور دکھلاوا نہ ہو ) کو کہتے ہیں۔

معرفت کیا چیز ہے ۔؟ معرفت دیدارِ حق ہے ۔ ہمارے حضراتؒ فرماتے ہیں : من لا حظ لہ فی الشریعۃ لاحظ لہ فی الطریقۃ من لاحظ لہ فی الطریقۃ لاحظ لہ فی الحقیقۃ ومن لاحظ لہ فی الحقیقۃ لاحظ لہ فی المعرفۃ فالمعرفۃ ثمرۃ الحقیقۃ والحقیقۃ ثمرۃ الطریقۃ ۔ والطریقۃ ثمرۃ الشریعۃ ۔ والشریعۃ اصلھا واساسھا۔

یعنی جس نے شریعت پر عمل کر کے لطف نہ اٹھایا اس نے طریقت کا لطف نہ اٹھایا جس نے طریقت پر چل کر حظ حاصل نہ کیا اس کا حقیقت میں کچھ حصہ نہیں۔ جس نے حقیقت حاصل کر کے کوئی لطف نہ اٹھایا اسے معرفت کا حظ نصیب نہیں ہوتا۔ پس "معرفت" ۔۔ "حقیقت" کا پھل ہے۔ اور "حقیقت" "طریقت" کا پھل ہے۔ اور "طریقت" "شریعت" کا پھل ہے ۔ اور شریعت ان سب کی بنیاد ہے۔

۔۔۔ تو اصل چیز شریعت ہے ۔ باقی سب اس کا نتیجہ ہیں ۔۔۔۔۔۔ !

علم روح ہے اور جہل (بے علمی ) موت ہے ۔ علم کا روح عمل ہے۔ اور عمل کا روح اخلاص ہے۔ اور اخلاص کا بھی روح ہے ۔ وہ ہے عدم رویۃ الاخلاص فی اخلاصہٖ جو نہایت درجہ کا مخلص ہو وہ اپنے آپ کو مخلص نہ سمجھے ۔ اسی لئے ہمارے حضرات ریاضات مجاہدات اور کمالات کے بعد بھی کہتے ہیں کہ ہمارے اندر تو کچھ نہیں۔ ہم تو کچھ نہیں۔ ہمارے حضرات فرماتے ہیں ؎

نیستی ما باعثِ ہستیٔ ما پستیٔ ما باعث سربلندیٔ ما

جب تک عمل میں اخلاص کی روح نہ ہو تو وہ عمل غیر مقبول ہے۔

حضرت رسولِ کریم خاتم النبیین سید العابدین ہیں۔ آپ کو "عبد" کا خطاب عطا فرمایا ہے۔ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ (بنی اسرائیل آیت۱) ترجمہ: وہ پاک ہے جس نے راتوں رات اپنے بندے کو مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی۔

اس مقام پر "بعبدہٖ" فرمایا۔ "لرسولہ" یا "بنبیہ" نہیں فرمایا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں انتہا اور کمال درجہ کی "عبدیت" تھی۔

ہمارے حضرت قریشی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ "طریقت" ہمارے پاس لوگوں کو "شریعت" کیطرف لانے کے لئے جال ہے۔ شکاری جال ڈالتا ہے۔ اس میں کچھ مچھلیاں پھنس جاتی کچھ نکل جاتی ہیں۔ جو پھنس جاتی ہیں، ان کا پیٹ چاک کیا جاتا ہے۔ نجاست نکالی جاتی ہے۔ پھر اپنے کام میں لائی جاتی ہیں۔ اس طرح جب طالب طریقت کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ تو اس کے سینہ سے تمام غیر شرعی نفسانی خواہشات اور کدورات کو ذکرِ الٰہی کے ذریعہ سے نکالا جاتا ہے۔ اور اسے شریعت پر چلنے کے لئے آمادہ کیا جاتا ہے۔ کرامات دیکھنا دکھانا مقصود نہیں۔ ہوا میں اڑنا اڑانا بھی مقصود نہیں۔ مقصد صرف لوگوں کو شریعت مقدس پر چلانا ہے۔

ہمارے حضرات فرماتے ہیں۔ زندگی کا مقصد تین چیزیں ہیں۔ ۱۔ ذکرِ حق۔ ۲۔ فکرِ حق اور ۳۔ رضائے حق۔ ذکر زبان سے، اور فکر دل سے کیا جاتا ہے۔ اور ان دونوں کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتا ہے۔

مسلمانو! آجکل امیر یا غریب نصاریٰ کے پیروکار ہیں۔ نصاریٰ اعداء اللہ ہیں۔ ہم نے اپنی شکلیں ان جیسی بنا رکھی ہیں۔ لباس ہمیں ان کا پسند ہے۔ حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپؐ کے اتباع کا حکم دیا ہے۔ آج ہم روزانہ داڑھی مونڈاتے ہیں۔ ہمارے تمام اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش ہوتے ہیں۔ یہ داڑھی مونڈنا بھی پیش ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر تکلیف ہوتی ہوگی۔ داڑھی کے ساتھ ہماری دشمنی ہے۔ حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: خالفوا الیھود والمشرکین قصوا الشوارب واعفوا اللحی۔ (اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) مشرکین اور یہود کے خلاف کرو، داڑھی رکھو۔ اور مونچھیں کٹاؤ۔

ہم اس حکم کے برعکس کرتے ہیں۔ داڑھی [illegible] منڈوائیں گے۔ اور مونچھیں اتنی بڑی بڑی رکھیں

گے۔ کہ شکل وصورت بھی بدزیبا اور بُری معلوم ہو گی۔ حقیقتِ اسلام اور حقیقتِ ایمان تو بڑی بات ہے۔ ہم سے صورتِ اسلام بھی چلی گئی۔ آج مسلمان منکرات کے سیلاب میں بہہ رہے ہیں۔ مسلمانو! ان سے بچنے کی کوشش کرو۔ ڈاڑھی مونڈنے پر پیسے خرچ کرتے ہیں۔ وہ بھی ہاتھ سے گئے اور دین بھی گیا۔ اور شکل وصورت بھی مسخ کرائی اور حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو بھی ناراض کیا جب ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کیا تو پھر تجارت کا کیا ذریعہ ہے۔؟

کسریٰ بادشاہ کا قاصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا تو داڑھی منڈائے ہوئے تھا اور مونچھیں بڑھائے ہوئے تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا ایسا کرنے کو تجھے کس نے کہا ہے۔ اس نے کہا کہ میرے آقا اور مولیٰ نے یہی حکم دیا ہے حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ریش مبارک پر دستِ مبارک پھیرا اور فرمایا: بھذا امرنی ربی ومولائی۔ میرے آقا اور میرے مولیٰ نے یہ حکم دیا ہے۔

مسلمانو! اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ہر وقت ڈرتے رہو۔ غیر مسلموں کی روش چھوڑ دو۔ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کل کہے کہ تم میرے دشمنوں کی شکل بناتے تھے اور ان کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے۔ جاؤ تمہارا حشر بھی ان کے ساتھ ہو گا۔ اس وقت کیا کرو گے۔؟

مسلمانو! اسلام غریب ہو چکا ہے۔ اور ہمارے ہاتھوں سے نکلتا جا رہا ہے، صرف اسلام کا نام باقی رہ گیا ہے۔

اتباع حضرت رسولِ کریمؐ | فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا معیار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے ساتھ وابستہ رکھا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (آل عمران۔ آیت۔ ۳۱) ترجمہ: کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو تاکہ تم سے اللہ محبت کرے۔

— تو اتباع صورت میں، سیرت میں، لباس میں، رفتار، گفتار میں، عبادات میں، معاملات میں، اخلاق میں اور سب چیزوں میں ہونا چاہئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کریں۔ اور شکل وشباہت غیر اقوام کی بنائیں۔ کیا یہ محبت کی نشانی ہے۔؟ سچا محب وہ ہے جو ہر چیز میں متبع سنتِ مطہرہ ہو۔ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا نام ہے اور غلامی آپؐ کے اتباع کا نام ہے۔ دنیاوی غلام اپنے آقا کے سامنے آداب سے

پیش آتا ہے۔ آقا جس کام سے منع کرتا ہے اسے نہیں کرتا اور جس کام کے کرنے کا حکم کرتا ہے وہ کرتا ہے ۔ اگر وہ اس کے برعکس کرے تو کہیں گے کہ یہ غلام بڑا نکما اور نافرمان ہے۔ کیونکہ آقا کے حکم کی تعمیل نہیں کرتا۔

مجنوں کو لیلیٰ کے ساتھ محبت تھی وہ اس کی محبت میں اتنا مست تھا کہ لیلیٰ جیسا لباس پہنتا اور ہر وقت زبان پر لیلیٰ لیلیٰ کا ورد تھا۔ ایک دن وہ ایک نمازی کے سامنے سے گزر گیا، نمازی نے اسے پکڑ لیا اور کہا تو میرے اور میرے رب کے درمیان کیسے حائل ہو گیا۔ مجنوں نے جواب دیا کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی، میں لیلیٰ کی محبت میں اتنا مست تھا کہ میں نے نہ تجھے دیکھا اور نہ تیری نماز کو۔ مگر تو یہ تو بتا کہ تو کیسا نمازی ہے۔ تو لیلیٰ کے خالق کی عبادت کر رہا تھا، مجھے تو نے کیسے دیکھ لیا۔ اعبد واللہ کانک تراہ ۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ یہ ہے مقام مشاہدہ ــــ فان لم تکن تراہ فانہ یراک ۔ اگر یہ نہیں ہو سکتا تو اتنا خیال تو ضرور کرو کہ گویا اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

مجنوں تو لیلیٰ لیلیٰ کہتے کہتے اتنا مست ہو گیا تھا۔ کیا اگر ہم لیلیٰ کے خالق، خالق السمٰوات والارض کو یاد کریں گے ۔ اور اللہ اللہ کریں گے تو ہمیں مستی حاصل نہ ہو گی۔ یقیناً ہو گی ــــ

مسلمانو! شریعتِ مطہرہ کو محکم پکڑو۔ صرف زبانی دعویٰ محبت نہ ہو بلکہ محبوب جیسے کام کر کے دکھاؤ ؎

وکلٌ یدعی وصلاً بلیلیٰ ولیلیٰ لا تقر لھم بذاک

ہر شخص لیلیٰ کی محبت کا مدعی ہے ۔ لیکن لیلیٰ کہتی ہے کہ مجنوں ہی محبت میں سچا ہے ؎

لوکان حبک صادقاً لاطعتہٗ ان المحب لمن یحب مطیع

اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تو محبوب کی اطاعت کرتا۔ کیونکہ محب اپنے محبوب کی نقل اتارتا ہے اور اس فعل پر وہ فخر کرتا ہے۔ افسوس! آج ہم انگریزوں کی نقل کرتے ہیں۔ اور پھر امید جنت کی رکھتے ہیں۔ بوتے جو ہیں اور امید گندم کاٹنے کی رکھتے ہیں۔ ع گندم از گندم بروید، جو زجو۔

حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو فرمایا: یافاطمۃ انقذی نفسک من النار ۔ اے فاطمہ اپنی جان کو جہنم کی آگ سے بچانا۔ یعنی اعمال صالحہ بجا لانے میں کوشش کرنا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شریعت مقدس پر چلنے کی توفیق دے آمین ثم آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین ۔

■■

رثاء زعیم ثورة العرب والاسلام ثورة التحریر

رئیس جمهوریة العرب المتحدة المتوفی لیلة المعراج ۲۷ر رجب ۱۳۹۰ھ

مولانا محمد موسیٰ الروحانی البازی استاذ الحدیث والفنون بقاسم العلوم ملتان پاکستان

أسعدیٰ تعالیٰ مالبینك آخرٌ ؟ ورفقاً بعانٍ هل خیالك زائرٌ؟
اے حبیب آیئے۔ کیا تیرے فراق کی انتہا بھی ہے۔؟ گرفتارِ محبت سے نرمی
کر۔ کبھی آپ کی خیالی صورت کی زیارت ہو سکے گی۔؟

ومهلاً قد استعذبت تعذیب قلبه اما لك فی شرع المودة زاجرٌ؟
بس کر تکلیف دینے میں تجھے مزا آتا ہے۔ کیا محبت کے دین میں تیرا
کوئی روکنے والا نہیں۔؟

لیهنك سمعٌ غیر مصغٍ لعاذلٍ وقلبٌ جریحٌ لایملّ محبا ذرٌ
مبارک ہو تجھے دوستوں کے وہ کان جو ملامت نہ سنے، اور زخمی محتاط دل
جو محبت سے تنگ نہیں ہوتا۔

وصبٌّ یعدُّ العشق مثل فریضة فلیس له غیر الصبابة سامرٌ
اور وہ دوست جو آپکی دوستی کو فرض سمجھتا ہے۔ پس تیری محبت کے سوا
اسے اور کوئی فکر نہیں۔

بکیٰ ذوالهویٰ العذری بیناً وربّما یعاودنا وصلاً حبیبٌ مهاجرٌ
تو ہی محبت والا فراق سے روتا ہے۔ حالانکہ گاہے گاہے بچھڑا ہوا حبیب
واپس آجاتا ہے۔

الایا حمام الأیك نوحی لبین من فقدنا ولا نلقاه ما ذرّ زاهرٌ
لیکن اے باغ کی کبوتری تو نوحہ کر اس شخص کے فراق میں جسے ہم نے
کھو دیا۔ اور جبتک آسمان پر ستارے چمکتے ہوں گے اس سے ملاقات ناممکن ہے۔

نعیٰ لِلبرایا رادیُو عبدَ ناصِرٍ رئیسٌ لجمہوریّۃِ العُربِ ظافرُ

ریڈیو نے دنیا کو جمال عبدالناصرؒ کی موت کی اطلاع دی، آپؒ جمہوریہ متحدہ عرب کے کامیاب صدر تھے۔

فدمعُ المعالی والمعارفِ مُنذرِفٌ وربعُ العُلیٰ قاعٌ ومافیہ صافرُ

بلندیوں و معارف کے آنسو رواں ہیں۔ ترقی و عظمت کی منزل خالی ہے۔ اس میں کوئی موجود نہیں۔

فواحسرتا لو تنفع القلبَ حسرتیْ والھفنا یالیتَ لھفیْ ینافرُ

وائے حسرت، کاش حسرت دل کو نفع دے سکتی۔ اے افسوس، مگر افسوس فائدہ نہیں دیتا۔

اَمِصرُ فقدتِ الزینَ والنورَ والذی لِنوَرِکِ نورٌ بل لِرَوضِکِ ناظرُ

اے مصر! آپ کھو گئے اپنی رونق اور غنچہ اور وہ جو آپکی کلیوں کا نور تھا بلکہ تیری ترقیوں کے گلشن کا باغبان تھا۔

ونجم السّما بل بدرُ ھا بل ذکاءُھا وغیثُ العُلیٰ بل مُزنہ وھو ماطرُ

اور وہ جو آسمان کا ستارہ بلکہ بدر بلکہ آفتاب عالمتاب تھا۔ اور وہ جو عظمت کی بارش بلکہ برستا ہوا بادل تھا۔

ومَن ذاالذیْ لم یستفِدْ مِن ضیائہٖ ولٰکنْ قلیلٌ فی الاناسِی شاکِرُ

کون ہے جو اس کی انقلابی روشنی سے مستفید نہ ہوا۔ لیکن انسانوں میں شکر گذار کم ہیں۔

وَمَن ذاالذیْ لم یبکِ غیرامیْرکا وغیرَ یہودیٍّ ومَن ھو کافرُ

آج کون ہے جو اس کی موت سے نہ رو رہا ہو۔ سوائے باشندگان امریکہ اور اسرائیل کے اور سوائے ان کے جو کافر ہیں۔

---

وماکان قیسٌ ھلکُہٗ ھلکَ واحدٍ ولٰکن علی الاقوامِ دارتْ دوائرُ

آپ کی موت ایک شخص کی موت نہیں ہے، بلکہ بہت سی قوموں پر آفات کی چکّی گھومنے لگی ہے۔

فطارتْ عقولٌ والقلوبُ تصدّعت وزُلزِلتِ الخبرامُ اِذْماتَ ناصِرُ

پس عقلیں اڑیں، دل پارہ پارہ ہوئے، صدر جمال عبدالناصر کی وفات سے

ساری زمین میں زلزلہ برپا ہوگیا ہے۔

ولیبکی الاراضی والسمٰوات والوریٰ ومیدان غزو والعلی والبواتر

آج غمگین ہیں، زمین، آسمان، انسان، میدانِ غزا۔ بلندی اور غازیوں کی تلواریں۔

جنیت، اعزرائیل، زھرا مفاجئا بہ ازدانت الاٰفاق نجد وغائر

اے عزرائیل تونے اچانک وہ پھول توڑا، جس سے زمین کے اطراف (بلندی وپستی) آراستہ تھے۔

ریاض المعالی بعد ریّ تصوحت وقد ظلمت تلک النجوم الزواھر

ترقیوں کے باغیچے اور پودے شاداب ہوجانے کے بعد برباد ہوکر مرجھا گئے ہیں۔ اور چمکدار و روشن تارے تاریک ہوگئے۔

حد الغما تبقی ولم یبق ناطر وقصر السنا باق ولم یبق عامر

باغ باقی ہے باغبان نہ رہا، بلندی کا محل باقی ہے معمار نہ رہا۔

وتفتو لکسری غیر ثورة ناصر ولم یبق من للغیر ضوء وآمر

ناصر مرحوم کا انقلابی کارواں تو ہمیشہ رواں رہے گا، مگر ہائے کارواں کا امیر اور روشنی کا مینار باقی نہ رہا۔

الا انما الابدان للموت انشئت وکل نعیم لامحالة حائر

خبردار ہمارے بدن موت کے لئے پیدا ہوتے ہیں، اور ہر نعمت کم ہوکر ایک روز چھن جائے گی۔

حیات الوریٰ نھج الی الموت بیّن وھم فیہ مقھورون واللہ قاھر

انسان کی زندگی موت کی طرف جانے والا ایک واضح راستہ ہے۔ انسان اس میں مجبور و مغلوب ہے اور اللہ غالب۔

الا انما الدنیا متاع یغرنا وساکنھا لاریب فیھا مسافر

یاد رکھو دنیا فریب دہندہ متاع ہے اور اس کے باشندے بلا ریب مسافر ہیں۔

وفته صافحت شتى القلوب وعانقت بشورتك الكبرى كانك ساحر
آپ کے عظیم انقلاب کے طفیل مخالف دل آپس میں ایک دوسرے سے
مصافحہ کرکے بغلگیر ہوئے۔ گویا آپ نے ان پر جادو کیا۔

وزاد جمالَ النّاسِ منكَ مُجمّلٌ وعزّز دينَ المصطفى منكَ ناصرُ
آپ سے نکلے ہوئے ایک آرائش کرنے والے نے عرب کی زینت
بڑھادی۔ اور آپکی ذات سے پیدا ہو کر ایک مددگار نے دین کو عزت وقوت بخشی

وابرّتَ اذهاناً لتُوتي ثمارَها ولمّا دنى ان تجتنى فانظ ابرُ
آپ نے ذہنوں کی اصلاح کی تاکہ وہ بارآور ہوں، مگر افسوس جب پک کر
پھل چُننے کا وقت آیا تو وہ مصلح دنیا سے رخصت ہوا۔

رعيّتهُ فوقَ المجرّة خيّموا سرادقهم من دونه النجم سائرُ
آپ کے طفیل رعایا کہکشاں سے بالا خیمہ زن ہوئے۔ ستارے ان کے
نیچے رواں رواں ہیں۔

وكنتَ لاهلِ الضاد قلباً وايدِياً وعقلاً وروحاً للرمائم ناشرُ
عرب کے لئے آپ دل، ہاتھ، عقل اور روح تھے، جس سے مردہ ہڈیوں
میں جان آتی تھی۔

وغبتَ فغابَ القلبُ والسمعُ والحجى كانّك للاسماع والقلب آسرُ
آپ کے غائب ہونے سے دل، کان اور عقل وغیرہ غائب ہوتے۔ گویا
آپ کان اور دل وغیرہ کو گرفتار کرکے اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔

لكَ المِنّةُ العظمى على الدّينِ والورى حبيبَ الورى. منها ضريحُك عاطرُ
دین اور مخلوق پر آپ کے بڑے احسانات ہیں۔ اے حبیب ان نیکیوں
کی برکت سے تو آج آپ کی قبر معطّر ہے۔

حذاركمُ ان يُعقِبَ الرزءُ فتنةً ايا زعماءَ المِصرِ قوا ان تساوروا
خیال کرو کہیں یہ حادثہ فتنے کا باعث نہ ہو جائے۔ اے رہنمایانِ مصر
بچو آپس کے اختلاف سے۔

وفقدہ وذلک الرحمٰنُ اِذوَدّک الوری وسَیُلہم فقد دلّ انّک طاهرٌ

(بقانونِ الٰہی) معلوم ہوا کہ خدا کی آپ سے محبت ہے، کیونکہ انسان آپ سے محبت کرتے ہیں، انسانوں کا سیلِ رواں (بوقت تدفین) آپ کی بے داغ قیادت کی دلیل ہے۔

کانّ رجالَ النِیْلِ اذمُتّ انجُمٌ تحیّرن ممّاخرّسیدہٗ محاورٌ

گویا دریائے نیل کے لوگ آپ کی وفات کی وجہ سے حیران و پریشان تارے ہیں۔ اس واسطے کہ ان کا رفیق مہتاب زمین میں ڈوب گیا۔

وصاقوا لھذا الموت ذرعاوا نھم سکاری کما فی الحشر والعقل طائرٌ

وہ اس موت کی وجہ سے بے بس ہیں۔ مدہوش ہیں جیسا کہ میدانِ حشر میں۔ اور عقل مفقود ہے۔

فصاحوا خُوارُالنّوق ، ناصرُ، ناصرُ وناحُوا بُکاالثکلانِ ناصرُ ناصِرُ

پس وہ غمزدہ اونٹنیوں کی طرح دھاڑیں مارکر چیختے ہوئے ناصر ناصر پکارنے لگے۔ اور اس شخص کی طرح جس کا بیٹا مرگیا ہو رو رو کر ناصر ناصر کہنے لگے۔

وضاقتُ علیھم ارضھم ودیارُھم بمارحبت اذفاجاتھم دیاجرُ

ان پہ زمین باوجود وسعت کے تنگ ہوگئی۔ جبکہ تاریکیوں نے اچانک ان کو آگھیرا۔

کانّھمُ اَعجازُ نخلٍ تقعرّت علی رُکبھم جاثُونَ والحینُ دائرٌ

وہ ایسے پڑے ہوئے ہیں جسطرح کھجور کے اکھڑے ہوئے تنے گھٹنوں کے بل گرے پڑے ہیں۔ اور موت ان پر منڈلا رہی ہے۔

فان مُتّ فاذھب والسلام علیکمُ یُعاوِدکُم ماکبّرَاللّٰہ ذاکرٌ

جب آپ مرگئے تو جائیے۔ ہماری طرف سے بار بار سلام پہنچتا رہے گا، جب تک ذکر کرنے والا ذکر کرے۔

عَلَیْک مِنَ اللّٰہِ السّلامُ ورَحمۃ ورَوحٌ ورَیحانٌ ووجھک ناضرٌ

آپ پر اللہ کیطرف سے سلام ہو۔ نیز رحمت و روح و ریحان بھی اور آپ کا چہرہ خوشی سے روشن ہو۔

■■

عربی ادب

# آہ! جمال عبدالناصر

از مولانا عبدالواحد سند یم جامعہ رحمانیہ ملتان

سکبنا دموعًا خرقنا جیوبًا — صبنا دماء شققنا قلوبًا

ہم نے آنسو بہائے گریبان پھاڑے، خون گرائے دل چیر ڈالے۔

فقد را حافظ جمال عبدالناصر — الی ربہ مستجیبًا منیبًا

اس لئے کہ حافظ جمال عبدالناصر اللہ کا حکم مانتے ہوئے اس سے جا ملے۔

فلاقاہ فی لیلۃ کان فیہا — لقاء حبیب الانام الحبیبا

پس وہ اپنے رب سے اس رات کو جا ملے جس رات محبوب خدا نے خدا سے ملاقات کی[1]

بوصل ظفرنا بغنم عظیم — بھجر لقاسی کروبا ضروبا

ناصر کی موجودگی میں ہم نے بہت بڑے منافع اٹھائے اور آج اسکی جدائی میں سینکڑوں دُکھ جھیل رہے۔

فما کان للکفر الا بغیضًا — فما کان للسلم الا حبیبًا

سو وہ کفر سے انتہائی نفرت رکھتے تھے اور انہیں صرف اسلام سے محبت تھی۔

وللصحب اضحی طبیبًا لبیبًا — وللیاء امسیٰ خطوبا نجوبا

مرحوم دوستوں کے لئے غمخوار چارہ کار تھے، لیکن یہودیوں کے لئے پیغام اجل تھے۔

وفی ربہ جاھد الظلم حتیٰ — اتانا لکل کئیب حبیبًا

مرحوم نے اللہ کے لئے استبداد کیخلاف جہاد کیا، یہاں تک کہ وہ ہر درد مند کیلئے غمخوار بن گئے۔

ومن شخصہ کان شرف المعالی — فصارت عداۃ عسیٰ ان تذوبا

مرحوم وہ شخصیت تھے جن کے وجود پر بلندیاں فخر کرتی تھیں اور دشمن حسد کی وجہ سے پگھلے جا رہے ہیں۔

لفی مسجد جسمہٗ لا یزال — وفی جنۃ روحہٗ لن یشیبا

مرحوم کا جسم تو یقیناً مسجد میں رہے گا — لیکن اسکی روح جنت میں ہمیشہ شاداب رہیگی

ولو غاب عنا جمال عظیم — ففی قلبنا ناصر لن یغیبا

اگرچہ عظیم رہنما جمال عبدالناصر ہم سے چلے گئے لیکن ہمارے دل میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

ویلیسٹ اینڈ واچ کمپنی
(سوئٹزرلینڈ)
کی
اعلیٰ معیاری
گھڑیاں
اب
نئے نئے
خوشنما ڈیزائنوں
میں
ہر جگہ دستیاب ہیں
واحد تقسیم کنندگان
کامرشیل واچ کمپنی
کراچی - ڈھاکہ
NATIONAL 9094